ماہنامہ

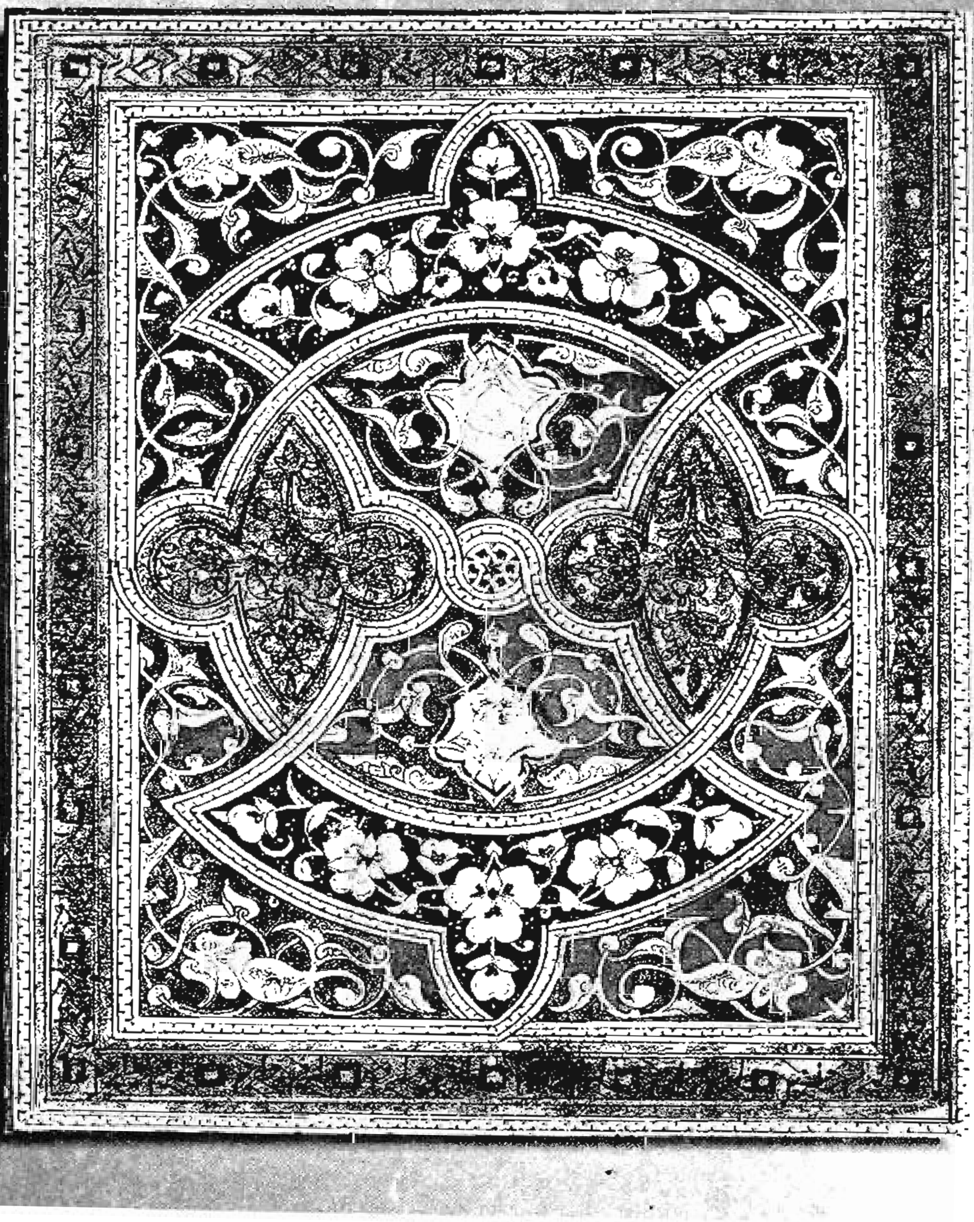
ترجمان القرآن

جاری کردہ

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

مُدیر

خورشید احمد



ادارہ ترجمان القرآن

ماہنامہ
ترجمان القرآن

مدیر : خورشید احمد
نائب مدیر : مسلم سجاد

جلد ۱۲۳ فروری ۱۹۹۷ء شوال ۱۴۱۷ عدد ۲

ترتیب

ادارتی امور

منصورہ، ملتان روڈ، لاہور ۵۴۵۷۰

فون : ۷۸۴۴۶۰۵

فیکس : ۷۸۳۲۱۹۴

انتظامی امور

۷۔ اے ذیلدار پارک، اچھرہ، لاہور

فون : ۷۵۸۷۹۹۱ - ۷۵۸۵۵۹۰

☆

قیمت فی شمارہ : -/۱۵ روپے

زر سالانہ : -/۱۵۰ روپے

مشرق وسطی : -/۵۵۰ روپے

بنگلہ دیش، مسقط : -/۴۵۰ روپے

بھارت : -/۳۰۰ روپے

یورپ، مشرق بعید : -/۶۵۰ روپے

امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا : -/۹۰۰ روپے

بنک ڈرافٹ

بنام ماہنامہ ترجمان القرآن ارسال فرمائیں

۶۰ سال پہلے

اس زمانے میں ہم کو جناب خلیل انوری صاحب سے بھی نیاز حاصل ہوا جو سنگاپور (جزائر ملایا) سے ایک اعلیٰ درجہ کا انگریزی رسالہ "Genuine Islam" نکالتے ہیں۔ ان کے رسالے کی تعریف ہم اس سے پہلے ان صفحات میں کر چکے ہیں۔ اپنی شان (Get-up) کے اعتبار سے وہ اس قابل ہے کہ مشرق و مغرب کے بلند پایہ رسائل کے پہلو میں جگہ پا سکتا ہے۔ مضامین کے اعتبار سے بھی خاصا بلند ہے اور زیادہ بلند کیا جا سکتا ہے۔ مگر مشکل یہاں بھی وہی ہے جو دوسرے مفید کاموں کو پیش آ رہی ہے۔ خلیل انوری صاحب نے رسالہ اپنے ذاتی سرمایہ سے (جو بہت ہی قلیل تھا) جاری کیا۔ مال دار مسلمانوں میں سے کسی نے ان کا ہاتھ نہ بٹایا۔ تعلیم یافتہ مسلمانوں نے رسالہ خرید کر بھی ان کی اعانت نہ کی۔ ایک بلند پایہ انگریزی رسالے کو ایسی حالت میں کیونکر چلایا جا سکتا ہے جبکہ اس کے خریدار پورے ایک ہزار بھی نہ ہوں۔ فاضل موصوف سے ہم نے مسلمانوں کی سرد مہری کا جو حال سنا ہے اس سے ہم حیران ہیں کہ یہ قوم آخر کدھر جا رہی ہے اور کیا چاہتی ہے۔ اردو میں لٹریچر پیش کیا جائے تو کہتے ہیں انگریزی میں چاہیے۔ انگریزی میں پیش کیا جائے تو اس کو بھی قبول نہیں کرتے۔ اب غالباً چینی اور ٹمبکٹوی زبانوں کا مطالبہ ہو گا۔ غیر قومیں ہمارے ممالک میں جو رسالے شائع کرتی ہیں ان کی تعداد اشاعت پچاس پچاس ہزار تک پہنچتی ہے۔ پارسی قوم کا ایک اخبار جو گجراتی میں شائع ہوتا ہے، ۶۵ ہزار کی اشاعت رکھتا ہے۔ ہندو قوم کا ایک ماہوار مذہبی رسالہ جو ہندی میں نکلتا ہے، چالیس ہزار تک پہنچ چکا ہے۔ انگریزوں اور ہندوؤں کے بعض اخبارات اور رسالے جو انگریزی زبان میں شائع ہوتے ہیں، نصف لاکھ یا اس سے کچھ کم و بیش تک اشاعت حاصل کر چکے ہیں۔ مگر مسلمانوں کے بہتر سے بہتر اخباروں اور رسالوں کو بھی ہزار دو ہزار سے زیادہ اشاعت نصیب نہیں ہوتی۔ چار پانچ ہزار تک جو پہنچ گیا اسے گویا معراج حاصل ہو گئی۔ حوصلوں کا یہ حال ہے اور اس پر ہمسایہ قوموں کے مقابلے میں سربلند ہونے کی آرزو ہے۔

(سید ابوالاعلیٰ مودودی، اشارات، جلد ۹، عدد ۶، ذی الحجہ ۵۵، فروری ۱۹۳۷)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

پاکستان کا سیاسی بحران اور حل کی راہ

خورشید احمد

پاکستانی سیاست کا ایک المیہ یہ بھی ہے کہ گو حالات تیزی سے بدل رہے ہیں اور نت نئے ادارے ابھر رہے ہیں لیکن مسائل وہیں کے وہیں ہیں بلکہ اور بھی پیچیدہ اور گمبھیر ہوتے جا رہے ہیں۔

۵ نومبر۹۶ کو صدر مملکت نے دستور کی دفعہ ۵۸-۲- ب کی تلوار کو آٹھ سال میں چوتھی بار استعمال کرتے ہوئے بے نظیر صاحبہ کی بدنام اور ناکام حکومت کو برطرف کیا اور اس مظلوم اور دکھی قوم کو احتساب اور نئے انتخاب کی نوید سنائی۔ پیپلز پارٹی کی حکومت کی برطرفی کا ملک اور ملک کے باہر بڑے پیمانے پر خیر مقدم کیا گیا اور اس کے روایتی پشتی بان بھی کھسیانی بلی کھمبا نوچے کی مشق بھی پوری طرح نہ کر سکے! قوم نے بحیثیت مجموعی اطمینان کا سانس لیا اور یہ توقع قائم کی کہ چونکہ صدر مملکت نے قوم کے احتساب کے مطالبے کی ملک گیر مہم پر لبیک کہتے ہوئے یہ قدم اٹھایا ہے اور برطرفی کی وجوہ میں بھی احتساب کی ضرورت ہی کو سب سے نمایاں مقام دیا ہے اس لیے اس اقدام کے فوراً بعد موثر احتساب اور بے لاگ انصاف کا اہتمام کیا جائے گا اور انتخاب سے قبل سیاسی میدان کو گندگی سے اس حد تک صاف کر دیا جائے گا کہ دس سال میں پانچویں انتخاب کے نتیجے میں ایک ایسی صاف ستھری قیادت ابھر سکے جو دستور کی دفعہ ۶۲ اور ۶۳ پر پوری اترتی ہو' جس کے ہاتھوں میں ملک کا سیاسی اور نظریاتی مستقبل محفوظ ہو اور جو اس کے ملی وسائل اور قومی دولت کی سچی امین ثابت ہو اور خدانخواستہ ایسا نہ ہو کہ ایک بار پھر محض ایک نیا انتخابی تماشا منعقد ہو جائے' لیکن خطرہ ہے کہ ملک حقیقی تبدیلی سے حسب سابق محروم رہے اور لوٹنے والوں کا وہی ٹولہ جو برسوں سے اقتدار پر قابض ہے ایک بار پھر پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلیوں میں محض اپنی دولت اور دھونس' دھاندلی اور دھوکے کی سیاست کے سہارے براجمان ہو جائے۔ ایسی صورت میں نہ صرف یہ کہ برطرفی کا عمل غیر موثر ہو جائے گا بلکہ عوام کا اعتماد خود انتخابی عمل اور بیلٹ پیپر کے ذریعے تبدیلی کے نظام ہی پر سے اٹھ جائے گا۔

انتخابات جمہوریت کا جزولاینفک اور پرامن تبدیلی کا اہم ترین ذریعہ ہیں لیکن اگر انتخابات کے نظام کو اس درجہ بگاڑ دیا جائے کہ وہ عوام کی امنگوں اور خواہشات کا عکاس نہ ہو سکیں اور لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھیں کہ ان کی ہر تمنا اور ہر کوشش کے علی الرغم محض دولت' دھونس' دھاندلی اور دھوکے کی قوت پر ایک مخصوص گروہ چولے بدل بدل کر مسند اقتدار تک پہنچ جاتا ہے تو پھر ان کا اعتماد خود انتخاب کے ادارے پر سے اٹھ جاتا ہے جیسا کہ مختلف نوآبادیاتی' اشتراکی اور آمرانہ نظاموں میں ہوتا رہا ہے۔

پاکستان کی سیاست کا اصل المیہ ہی یہ ہے کہ یہاں آزادی کے بعد سے اب تک خواہ سول حکومت ہو یا فوجی' مسلم لیگ ہو یا پیپلز پارٹی' عوامی لیگ ہو یا کنونشن لیگ' چند خاندان اور ایک معلوم گروہ ملک کے سیاہ و سپید کا مالک بنا رہا ہے۔ اس گروہ کا ایک فرد اگر برسراقتدار جماعت میں ہوتا ہے تو دوسرا حزب اختلاف میں' ایک فوج میں ہوتا ہے تو دوسرا پولیس میں اور تیسرا انتظامیہ میں۔ یہی کھیل ہے جو اس ملک کے عوام کے ساتھ پوری ڈھٹائی کے ساتھ کھیلا جا رہا ہے اور مفاد پرستوں کا کھلا اور ڈھکا گٹھ جوڑ صحت مند تبدیلی کے ہر راستے کو مسدود کیے ہوئے ہے۔ اگر کہیں سے روشنی کی کوئی کرن نمودار ہوتی ہے تو تاریکیوں کے محافظ ہر طرف سے حملہ آور ہو جاتے ہیں اور نتیجتاً "برطرف کرنے والوں" اور "برطرف کیے جانے والوں" اور "برطرف ہونے والوں کی جگہ لینے والوں" میں کوئی نمایاں فرق باقی نہیں رہتا۔ پروفیسر کیتھ کیلارڈ جو کینیڈا کی میک گل یونیورسٹی کے علم سیاسیات کے پروفیسر تھے اور جنھوں نے پاکستان کی سیاست کا وقت نظر سے مطالعہ کیا ہے اپنی کتاب Pakistan: A Political Study by Keith Callard "پاکستان: ایک سیاسی مطالعہ" میں لکھتے ہیں:

"پاکستانی سیاست میں اقتدار کی تبدیلی کے ساتھ وفاداریاں بھی تبدیل ہو جاتی ہیں اور اس طرح وہی سیاست دان اقتدار سے پینگیں بڑھاتے رہتے ہیں۔ جس کی نگاہ سیاست کے اس جوار بھاٹے پر نہیں وہ حیران رہ جاتا ہے کہ کس سہولت کے ساتھ ایک لیڈر کے وہ پیروکار جن کی ناقابل تسخیر تائید پر اسے ناز تھا' چشم زدن میں پینترا بدل لیتے ہیں اور اپنے سابقہ لیڈر کے مدمقابل کو متفقہ طور پر خوش آمدید کہنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ ایک سیاست دان کو ان افراد کا بھی خیال رکھنا پڑتا ہے جو مقامی طور پر ووٹروں پر اپنی گرفت رکھتے ہیں۔ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ جاگیردار اور زمیندار' پیر' میر' مخدوم' خان اور نواب صاحبان آج بھی بڑا سیاسی اثر و رسوخ رکھتے ہیں۔ قانون ساز اسمبلیوں کے ارکان پر اگر نگاہ ڈالی جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ چند ہی خاندان ہیں جو موروثی طور پر سیاسی زندگی پر چھائے ہوئے ہیں"۔ (ص ۴۹-۵۰)

ایک جائزے کے مطابق زیادہ سے زیادہ دو سو خاندان ہیں جو سیاست پر چھائے ہوئے ہیں اور ان سے متعلق چار سے پانچ ہزار افراد ہیں جنھوں نے سیاست اور معیشت کو اپنی جاگیر بنا لیا ہے۔ ان میں سے ایک

خاصی تعداد ان خاندانوں کی ہے جنھوں نے انگریزی استعمار سے ساز باز کر کے اپنے ہم وطنوں سے غداری کی تھی اور اس کے عوض بڑی بڑی جاگیریں حاصل کی تھیں اور آج یہی جاگیردار سیاست کے وڈیرے بنے ہوئے ہیں۔ ان میں اضافہ ان سرمایہ دار خاندانوں کا ہو گیا ہے جو آزادی کے بعد اور خصوصیت سے جنرل ایوب کے آمرانہ دور میں معاشی مراعات حاصل کر کے بڑے بنے۔ ان عناصر نے سول اور ملٹری انتظامیہ کی ملی بھگت کے ساتھ ملک کی سیاسی اور معاشی زندگی پر تسلط حاصل کر لیا ہے اور انھی کو بیرونی طاقتوں کی سرپرستی حاصل ہے۔ اس مخصوص ٹولے نے اپنے لیے ہر طرح کا سامان عیش فراہم کیا ہے نتیجتاً "بنا ہے عیش تجمل حسین خاں کے لیے" اور قوم کے عام افراد کی قسمت میں محرومیاں ہی رہ گئی ہیں۔

۵ نومبر ۹۶ کی تبدیلی بھی دیکھتے ہی دیکھتے اسی تاریک عمل کا شکار ہو رہی ہے اور اگر یہ کھیل اسی طرح جاری رہتا ہے تو ۳ فروری کے الیکشن کے نتیجے میں وہ صبح طلوع نہ ہو سکے گی جس کی خاطر پی پی پی کی حکومت کے خلاف ملک گیر تحریک چلائی گئی تھی اور جس کا اصل ہدف محض انتخاب نہیں' مجرموں کا حقیقی احتساب' معیشت کو لوٹنے والوں سے لوٹی ہوئی دولت کی واپسی اور ایک ایسی باکردار قیادت کو برسراقتدار لانا تھا جو عوام میں سے ہو' جو عوام کی خادم ہو اور اسلام اور ملت اسلامیہ کی حقیقی نمایندہ ہو۔

عبوری حکومت انھی دعووں کے ساتھ میدان میں آئی لیکن چند ہی دن میں یہ بات سامنے آنے لگی کہ چند قابل قبول چہروں کے ساتھ بڑی تعداد میں پھر وہی عناصر ہماری حکومت پر چھا گئے جن کا ماضی داغ دار اور اسلام اور ملک و ملت سے جن کی وفاداریاں شک و شبہ سے بالا نہ تھیں۔ وہی اقربا پروری اور دوست نوازی پھر کچھ نئی کرشمہ سازیاں دکھانے لگی اور واشنگٹن اور نیویارک کے مداح اور ممدوح پھر صریر آرائے سیاست ہو گئے۔ ڈی ویلیوشن (Devaluation)' اندھی نج کاری' ٹیکسوں کی بھرمار' قیمتوں میں اضافے اور قرضوں کے سیلاب کا وہی نسخہ کچھ اور بھی تندہی سے آزمایا جانے لگا جس نے معیشت کو تباہ اور عام انسانوں کو زبوں حال کر دیا تھا۔ ہندستان سے تجارتی تعلقات مزید بڑھانے کی باتیں ہونے لگیں اور کشمیر کے جہاد آزادی کے تقاضوں سے اغماض بڑھنے لگا۔ سب سے بڑھ کر احتساب کے عمل کو بالکل فراموش کر دیا گیا اور سیاست کا تانا بانا کچھ اس طرح بنا جانے لگا کہ چھوٹی مچھلیوں کو نمایش کے لیے گرفت میں لیا جائے مگر سارے بڑے بڑے مگرمچھ اسی طرح میدان میں رہیں اور اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے نئے دروبست بنانے میں مشغول ہو جائیں بلکہ ان کو کسی نہ کسی طرح قابل قبول بنا دیا جائے۔

عبوری حکومت نے پہلے دو ماہ محض لیت و لعل میں ضائع کر دیے اور اب یہ معذرتیں پیش کی جا رہی ہیں کہ وقت ناکافی ہے اور احتساب کی وجہ سے انتخاب میں تاخیر ہو جائے گی' حالانکہ نئے انتخاب کا تو اصل جواز ہی صرف یہ تھا کہ قوم کو لوٹنے والوں سے نجات دلائی جائے گی اور ایک صاف شفاف قیادت ابھر کر

سامنے آسکے گی۔

عبوری حکومت نے ایک انتہائی ناقص قانون احتساب بنایا اور اس کا سارا نظام وہی پرانی عدالتی ڈگر پر بنایا جس کے ذریعے انصاف کا بروقت حصول ناممکن ہو گیا ہے۔ جن گنے چنے افراد کو گرفتار کیا۔ ان کے بارے میں بھی مکمل مواد عدالتوں کے سامنے نہ لایا گیا جس کے نتیجے میں عدالتیں چیختی رہیں اور بالاخر ایسے افراد کو بھی ضمانتوں پر رہا کر دیا گیا۔ انتخابی قوانین میں مطلوبہ تبدیلیاں نہ کی گئیں بلکہ جو قانون بنائے گئے ان میں بھی سیاسی دباؤ کے تحت ایسی تبدیلیاں کی گئیں کہ بنکوں کے نادہندگان بہ سہولت عدالتوں سے حکم امتناعی Stay Order لے کر حسب ماضی دندناتے پھریں اور دوبارہ اسمبلیوں پر قابض ہو سکیں۔ یہ ترمیم ایسے بھونڈے انداز سے کی گئی کہ خود عبوری حکومت کے وزیر قانون نے احتجاجاً استعفیٰ دے دیا۔

الیکشن کی انتظامیہ کو نہ بروقت صحیح معلومات دی گئیں اور نہ یہ ہدایت کی گئی کہ دستور کی دفعہ ۶۲ اور ۶۳ کی میزان پر نمایندگیوں کو قبول یا رد کیا جائے۔ پورے ملک میں صرف تین چار مقامات پر اس اصول پر کچھ عمل پیرا ہونے کی کوشش ہوئی اور اسے بھی بالاخر غیر موثر بنا دیا گیا۔

اس کا نتیجہ ہے کہ الیکشن میں وہی پرانے مہرے میدان میں نظر آ رہے ہیں۔ بڑی پارٹیوں کی طرف سے بھی ۸۰ اور ۹۰ فی صد کے درمیان وہی افراد سامنے لائے گئے ہیں جو پہلے اسمبلیوں میں تھے اور جن کے کرتوتوں کی بنا پر چار بار اسمبلیاں توڑی جا چکی ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر احتساب اور انتخابی عمل کی اصلاح کے بغیر چار بار اسمبلیوں کے انتخاب' مسائل کو حل نہ کر سکے تو پانچویں انتخاب سے کیسے یہ معجزہ واقع ہو سکتا ہے؟

ہم تو یہ بات کہہ ہی رہے تھے لیکن اب عبوری حکومت نے "کونسل برائے دفاع اور قومی سلامتی" کے قیام سے نہ صرف یہ کہ فوج کے سیاسی عمل دخل کو باقاعدہ اداراتی شکل دے دی ہے بلکہ اس کا اصل جواز ہی یہ قرار دیا ہے کہ اس طرح پارلیمانی نظام میں صدر کا عمل دخل بڑھ جائے گا نیز جو اقدامات عبوری حکومت کر رہی ہے آیندہ کی (نام نہاد) منتخب حکومت ان کو جاری رکھنے کی پابند ہو گی۔ بلکہ خبر تو یہ ہے کہ یہ سب کچھ باقاعدہ درپردہ معاہدے کے ذریعے ہو رہا ہے۔

روزنامہ "نیشن" ' مورخہ ۱۱ جنوری ۱۹۹۷ نے برطانیہ کے ایک معتبر ذریعے Oxford Analytica کے تازہ شمارے کی بنیاد پر یہ خبر دی ہے کہ:

"صدر اور فوج مسلم لیگ کے سربراہ نواز شریف صاحب سے ایک نہایت متنازع معاملہ طے کر چکے ہیں جس کے نتیجے میں نواز شریف صاحب آیندہ وزیراعظم ہوں گے لیکن اس شرط پر کہ عبوری حکومت نے جو معاشی در و بست قائم کیا ہے اور جو معاہدہ آئی ایم ایف سے مقرر کردہ اہداف کو پورا کرنے کے لیے کیا گیا

ہے، وہ قائم رکھا جائے گا، باوجودیکہ ان معاشی اصلاحات کا اثر خود نواز شریف کی تجارتی کونسٹی ٹیونسی (Constituency) پر پڑتا ہو۔ نیز سیاسی کرپشن کے خلاف موثر کارروائی کی جائے گی۔ گو یہ بات واضح نہیں ہے کہ نواز شریف صاحب یہ کام کیسے کریں گے جبکہ خود ان کی پچھلی حکومت ایسے ہی بدعنوانی اور سفارشی نظام کی وجہ سے برطرف کی گئی تھی"۔ Oxford Analytica یہ خبر بھی لایا ہے کہ آیندہ کی حکومت میں وزیر خارجہ اور وزیر خزانہ کونسل کے نامزد کردہ ہوں گے"۔

اس پس منظر میں Oxford Analytica لکھتا ہے کہ تمام دوسرے سیاست دانوں کی مخالفت کے باوجود نواز شریف صاحب کا کونسل کی مخالفت نہ کرنا بڑا معنی خیز ہے۔

احتساب کی ناکامی نے صرف ملک ہی کے تمام سوچنے سمجھنے والے عناصر کو مایوس نہیں کیا بلکہ باہر کے حلقے بھی یہ کہنے پر مجبور ہو رہے ہیں کہ پھر اس سارے ڈرامے کیا حاصل؟ لندن کا روزنامہ "دی ٹائمز" کونسل کے قیام پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنے ۸ جنوری کے اداریے میں جس کا عنوان بھی بڑا معنی خیز ہے یعنی پاکستان کے لیے کڑا وقت: انتخاب کا التوا ہی بہتر ہو سکتا ہے" Time for Pakistan: Delaying elections may be better Than it Appears میں لکھتا ہے:

"پاکستان کی فوج کو، جو ہمیشہ ہی اقتدار کے پیچھے اصل قوت رہی ہے، اب کھل کر سیاسی اسٹیج پر سرفراز ہونے کی دعوت دے دی گئی ہے اور یہ اقدام ایک ایسے بحرانی ماحول میں کیا گیا ہے جو پاکستان کے سیاہی آلود معیار پر بھی غیر معمولی واقعہ ہے۔ اب کونسل برائے دفاع اور قومی سلامتی میں دس میں سے چار شرکا کا تعلق فوج سے ہے۔ گو صدر فاروق لغاری کا یہ موقف ہے کہ اس ادارے کا کام صرف پختہ مشوروں mature advice) تک محدود ہو گا لیکن پاکستان میں ایسے کم ہی لوگ ہیں جو اس بات پر یقین رکھتے ہوں.... ایک ایسے ادارے کے قیام نے پاکستان کے اس مشتبہ دعوے کو جو وہ پارلیمانی جمہوریت کے باب میں کرتا ہے، اور بھی مخدوش بنا دیا ہے۔

"جمہوریت میں علامات کی بھی بڑی اہمیت ہے۔ خواہ حقیقت یہ ہی کیوں نہ ہو کہ اس کونسل کا قیام اب طاقت کی اس تکون کو جو پہلے سے ایک امر واقعہ ہے (یعنی صدر، وزیراعظم اور فوج کا سربراہ) زیادہ نمایاں اور شفاف کر دیتا ہے۔ جب صدر لغاری نے بے نظیر بھٹو کی حکومت کو برطرف کیا تو وہ اپنے دستوری اختیارات کے دائرے میں کام کر رہا تھا لیکن ان کا تازہ اقدام خود صدر کے دستوری اختیار کے اعتبار سے بھی مشتبہ ہے اور یہ ملک کے سیاسی نظام کو مزید غیر مستحکم کرنے کا سبب بن سکتا ہے"۔

آگے چل کر احتساب کے بغیر انتخاب کے غیر موثر ہونے اور احتساب کی خاطر انتخاب کی تاریخ میں ایک متعین تاخیر کی بات اداریے میں اس طرح کی گئی ہے:

"انتخابات میں ایک متعین وقت کی تاخیر پاکستان میں جمہوریت کے مستقبل کے لیے کچھ ایسی مجروح کن نہیں جیسی بظاہر نظر آتی ہے۔ اقتدار کے دونوں بڑے دعویدار اس سے پہلے کرپشن اور بدعنوانی ہی کے الزامات کی بنا پر برطرف کیے گئے تھے۔ تین مہینے کا وقت ایسے سیاسی دلدل سے نکلنے کے لیے پہلے ہی بہت ناکافی تھا۔ پھر عبوری حکومت کو لازماً مزید وقت کی ضرورت ہے تاکہ وہ احتساب کے قوانین کو مزید سخت کر سکے اور بدعنوان سیاست دانوں کو موثر طریقے پر نااہل قرار دیا جاسکے۔ یہ قانون بہت روا روی میں تیار کیا گیا ہے اور اس کے نتیجے میں بہت سی بڑی بڑی مچھلیاں جال سے نکل گئی ہیں۔ خاص طور پر اس امر کی ضرورت ہے کہ ان تمام قواعد کو موثر شکل دی جائے جن کے ذریعے ان سیاست دانوں پر گرفت ہو سکے اور ان سے سیاست کو پاک کیا جاسکے جو ملک کے بنکاری نظام کو تباہ کرنے کے ذمے دار رہے ہیں اور جو ان بڑی بڑی رقوم کو ادا کرنے سے پہلوتہی کر رہے ہیں جو ان کے ذمے ہیں اور جو صرف سیاسی اثر و رسوخ کی وجہ سے وہ حاصل کر سکتے تھے"۔

وہ حضرات جو محض جمہوریت کی دہائی دے کر احتساب کے بغیر انتخاب کا ڈھونگ رچانے کی باتیں کر رہے ہیں ان کو "لندن ٹائمز" کے اس اداریے کے آئینے میں اپنی جمہوریت نوازی کا اصل چہرہ دیکھنا چاہیے۔ بلاشبہ انتخابات جمہوریت کا ایک اہم ستون ہیں لیکن یہ ستون اس وقت جمہوریت کا سہارا بن سکتا ہے جب قانون کی حکمرانی ہو' نہ کہ حکمرانوں کے قانون کی' جو بدترین آمریت اور کرپشن کا سرچشمہ ہے۔ جمہوریت نام ہے دستور اور اس کے اداروں کے احترام کا اور ایک عام انسان کے جان اور مال کے تحفظ کا۔ سب کے لیے آزادی اظہار و بیان کا' مخصوص مفادات کو لگام دینے کا اور انتخابی عمل کو صاف اور شفاف بنانے کا۔ جمہوریت نام ہے عوام کے حقوق اور کمزور اور قوی کی مساوات کا۔ یہی وجہ ہے کہ احتساب کے بغیر اور سیاسی جھیل کو گندی مچھلیوں سے پاک کیے بغیر انتخاب نہ صرف یہ کہ قوم کے ساتھ محض ایک مذاق ہوں گے بلکہ اس بات کا خطرہ ہے کہ اس طرح قوم کا اعتماد انتخابی عمل پر سے اٹھ جائے گا اور یہ جمہوریت کے مستقبل کے لیے بڑی فال بد ہو گی۔

یہی وجہ ہے کہ تحریک اسلامی نے جہاں سابقہ بدعنوان اور پاکستان کے مفادات سے بے وفا حکومت کے خلاف ملک گیر تحریک چلائی' وہیں احتساب کی ضرورت اور انتخاب سے پہلے اور انتخاب کے ساتھ موثر احتساب کا مطالبہ کیا۔ بدقسمتی سے عبوری حکومت اور سیاسی جماعتوں دونوں نے مخصوص مفادات کے تحفظ کی خاطر احتساب سے اغماض برتا اور سیاسی عمل اور بھی گدلا ہو گیا۔ ان حالات میں محب وطن قوتوں کے لیے اس کے سوا کوئی اور راستہ نہیں کہ عوام کو بیدار کریں اور احتساب کے لیے ایسی موثر رائے عامہ منظم کریں کہ جو بھی حکمران ہو اس کے لیے بدعنوانوں کی پشت پناہی ناممکن ہو جائے اور قوم کو لوٹنے والے

کیفر کردار کو پہنچ سکیں۔

یہ عجیب معاملہ ہے کہ انتخاب کی رٹ لگانے والے بھی احتساب کی ضرورت اور احتساب کے بغیر سیاست کے صاف شفاف نہ ہو پانے کا اعتراف کر رہے ہیں۔ سب یہ بات بھی مانتے ہیں کہ عبوری حکومت احتساب کی طرف کوئی موثر قدم نہ بڑھا سکی حتیٰ کہ صدر مملکت' وزیراعظم اور اب کونسل برائے دفاع و قومی سلامتی نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے۔ اخبارات ۳ فروری کے انتخاب کے امیدواروں کے کارناموں سے بھرے پڑے ہیں۔ بنکوں کے نادہندگان کی فہرست ہو یا واپڈا کے' سرکاری رہایش گاہوں کے کرایوں کا معاملہ ہو یا گیس' بجلی اور ٹیلی فون کے بلوں کا' سرکاری خزانے کے بے محابا استعمال کی بات ہو یا سرکاری پوزیشن کے غلط استعمال کی ___ قیادت کے ان امیدواروں کے نامہ اعمال کی سیاہی اب کوئی راز نہیں۔ پھر سیاسی جماعتوں نے' خصوصیت سے دونوں بڑی جماعتوں نے' جو نمایندے کھڑے کیے ہیں وہ وہی لوگ ہیں جن کے داغدار دامن کا ذکر ہر بر طرفی کی چارج شیٹ میں ہے۔ جو منشور اور پروگرام ان جماعتوں نے پیش کیا ہے وہ بھی کسی نئی سوچ سے خالی ہے۔ خصوصیت سے اسلامی نظریہ حیات سے بے التفاتی اور ورلڈ بنک اور سودی معیشت کی پرستش اور قومی سوچ کی کمی وہ چیزیں ہیں جو ناقابل انکار ہیں۔ ان حالات میں اس طائفے سے خیر کی توقع عبث ہے۔

ہم ان گذارشات کی مزید تنقیح کے لیے موقر قومی اخبارات کے ادارتی صفحات سے چند اقتباس پیش کر رہے ہیں جن میں انھی حقائق کا اعتراف کیا گیا ہے گو ان کے منطقی نتائج سے گریز کیا گیا ہے۔ خصوصیت سے موقر روزنامہ نوائے وقت کا تبصرہ جو شاھد من اھلھا کا درجہ رکھتا ہے۔

سب سے پہلے خود صدر صاحب کے سلسلے میں "دی فرائی ڈے ٹائمز" کے تازہ ترین شمارے (جنوری ۹ تا ۱۵' ۱۹۹۷) سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔ (واضح رہے کہ اس فرائی ڈے ٹائمز کے بانی مدیر نجم سیٹھی صاحب عبوری حکومت میں سیاسی مشیر ہیں' سابقہ حکومت کے خلاف تحریک میں یہ پرچہ پیش پیش تھا اور اب بھی ایوان صدر سے اس کا تعلق بڑا قریبی سمجھا جاتا ہے)۔

"جب صدر فاروق احمد لغاری نے گذشتہ نومبر میں بھٹو گورنمنٹ کو برطرف کیا اس وقت ان کی ثقاہت اور معتبریت (credibility) اپنے عروج پر تھی۔ آج ان کی ثقاہت پستی کی انتہا تک اتر چکی ہے۔ ایسا کیوں ہے؟

"ایک بنیادی وجہ یہ ہے کہ احتساب کے بارے میں صدر صاحب کے پروگرام پر عمل شروع ہی نہیں ہو سکا اور اس ناکامی کی وجہ سے ملک گیر سطح پر بے چینی' آزردگی اور کشیدہ خاطری عام ہے' کون چاہتا ہے کہ

وہی چور چوتھی بار بھی پارلیمنٹ پر براجمان ہو جائیں؟

"اب ایک اور نسخہ آزمایا جا رہا ہے یعنی کونسل برائے دفاع و قومی سلامتی --- تاکہ ایک ایسا ادارہ وجود میں آ جائے جہاں تمام اہم کھلاڑی اپنے اختلافات کو دور کر لیں' قبل اس کے کہ یہ اختلافات شدت اختیار کریں اور ایک دوسرے کے چہروں پر پھٹ پڑیں۔

"صدر صاحب کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ حسب سابق حالت (status quo) کے اسیر ہیں۔ انھوں نے عوام کے اولین مطالبے یعنی احتساب کو ایک اور انتخاب کی بھینٹ چڑھا دیا ہے۔ ایسا انتخاب جو انھی چہروں کو' انھی خیالات اور رجحانات کے حامل افراد کو برسر اقتدار لے آئے گا جن سے نجات حاصل کی گئی تھی۔ انھوں نے اس بدیہی حقیقت سے صرف نظر کر لیا ہے کہ انتخاب کے قواعد اور سیاسی ضوابط میں تبدیلی کے بغیر ناگزیر ہے کہ' ہر الیکشن کے نتیجے میں جیسا کہ ۱۹۸۸ کے بعد سے ہو رہا ہے' کچھ زیادہ ہی بدعنوان اور زیادہ ہی غیر ذمے دار حکومتیں وجود میں آئیں۔ اب اصل ایجنڈا' بدعنوانی اور کرپشن سے نجات نہیں' حالانکہ خود صدر صاحب کے مالی مشیر کا ارشاد ہے کہ صرف ۱۹۹۳ کے بعد تین سال میں حکومت نے اس قوم سے پانچ سو ارب روپے لوٹے ہیں۔ اس کا حساب کون لے؟ اب ہدف بدعنوان عناصر کو سیاست کے میدان سے نکالنا نہیں بلکہ فروری ۱۹۹۷ کے بعد ویسے ہی بدعنوان عناصر سے شرکت اقتدار ہے۔ صدر صاحب اسے تسلیم کریں یا نہ کریں' احتساب کو پس پشت ڈال کر انھوں نے عوام کی نگاہ میں خود بے نظیر حکومت کی برطرفی کے جواز کو مشتبہ بنا دیا ہے"۔

روزنامہ "جنگ" راولپنڈی ۲۸ دسمبر ۹۶ کے ادارتی شذرے میں رقم طراز ہے:

"صدر مملکت نے بے نظیر حکومت کے خاتمے کی بنیادی وجہ کرپشن کو قرار دیا ہے اور اب تک قومی وسائل کی لوٹ مار کی عجیب و غریب داستانیں' اخبارات کے ذریعے اور نگران حکومت کے بعض وزرا کے توسط سے عوام تک پہنچی ہیں۔ صدر اور وزیراعظم متعدد موقعوں پر سابقہ حکمرانوں کی لوٹ مار کے واقعات دہراتے چلے آ رہے ہیں اور ملک کو جو سنگین اقتصادی بحران درپیش ہے' اس کی ذمہ داری بھی بڑی حد تک سابقہ حکومت پر ڈالی جا رہی ہے حالانکہ کرپشن کا تعلق صرف سابقہ حکومت سے ہی نہیں بلکہ اس سے پہلے کی حکومتوں سے بھی رہا ہے' پلاٹوں کی الاٹمنٹ' قواعد و ضوابط کو نظرانداز کر کے قرضوں کا اجرا اور معافی' سفارش کی بنیاد پر ملازمتوں کی بندر بانٹ گذشتہ کئی سالوں سے جاری ہے۔ اس لحاظ سے نہ صرف سابقہ حکومت بلکہ اس سے پہلے کی حکومتیں بھی اس ساری صورت حال کی ذمہ دار ہیں' جس نے ملک کو اقتصادی' سماجی اور سیاسی اعتبار سے دیوالیہ بنا دیا ہے۔ موجودہ نگران حکومت نے جس زور و شور سے احتساب کا نعرہ لگایا تھا' اس کا وجود کہیں نظر نہیں آتا اور صاف دکھائی دے رہا ہے کہ وہی سابقہ چہرے دوبارہ اقتدار میں

آنے کی تیاری کر چکے ہیں۔ ان حالات میں صدر کی طرف سے سابقہ حکومت کی برطرفی اور اس کے خلاف بدعنوانیوں کے سنگین الزامات سب محض شور و غوغا ثابت ہوں گے اور عوام صرف اپنی محرومیوں کا ماتم کرنے کے لیے رہ جائیں گے۔ ان حالات میں انتخابات میں بھی خیر کا کوئی پہلو دکھائی نہیں دیتا۔ لہٰذا یہ کہنا ہرگز مبالغہ نہیں کہ احتساب کے بغیر انتخاب ایک ڈراما اور ایک تماشا ہوں گے اور نگران حکومت اس سارے ڈرامے اور تماشے کی ذمہ دار ہوگی"۔

روزنامہ "دی نیوز" اپنے ۲۲ دسمبر ۱۹۹۶ کے اداریے میں لکھتا ہے:

"پاکستانی عوام ۳ فروری کے انتخابات کے لیے بہت پرجوش تھے۔ وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ شاید کرپشن، اقربا پروری اور دولت لوٹنے کا زمانہ گزر گیا ہے۔ تاہم گذشتہ چند دنوں کے واقعات نے عوام کی ان تمام توقعات پر پانی پھیر دیا ہے۔ آنے والے انتخابات کے امیدواروں کی فہرست دیکھ کر لوگوں کو یہ اندازہ ہو گیا ہے کہ ایک دفعہ پھر ان کے اوپر ایسی حکومت مسلط ہو جائے گی جسے وہ پسند نہیں کرتے۔

"نگران حکومت اور اس کی ساکھ پر اعتماد کو زبردست ٹھیس پہنچی ہے۔ بدعنوان سیاستدانوں کو نکال باہر کرنے کی کوشش ناکام ہو گئی ہے اور نئی اسمبلیوں کے لیے امیدوار کم و بیش وہی پرانے لوگ ہیں جنھیں عوام مسترد کر چکے ہیں۔ ان مسترد شدہ سیاست دانوں نے اپنی تجوریاں تو خوب بھریں مگر عوام کو بنیادی سہولیات بھی فراہم نہ کر سکے۔ بے روزگاری، غذا، ادویات اور ایسی ہی دوسری ضروریات کی قیمتوں میں بے تحاشہ اضافہ اور شہری سہولتوں کی عدم فراہمی ان سیاست دانوں کے دور اقتدار کی چند نمایاں خصوصیات ہیں۔ انھوں نے عام آدمی کے مسائل کے حل کے لیے کوئی کوشش نہیں کی۔

"سیاسی جماعتوں کو بھی ناکامی کی ذمہ داری قبول کرنا چاہیے اور ماضی سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر حال میں جیتنے کی خواہش میں سیاسی جماعتیں جان بوجھ کر بدعنوان عناصر کو بھی انتخابات میں کھڑا کرتی ہیں"۔

"اگر سیاسی جماعتیں عوام کی نمایندہ بننا چاہتی ہیں تو اس کے لیے انھیں قوم کی نبض پر ہاتھ رکھنا ہو گا اور جاننا ہو گا کہ عوام کیا چاہتے ہیں۔ اگر انھوں نے ایسا نہ کیا تو عوام یہ سمجھنے میں حق بجانب ہوں گے کہ سیاسی جماعتیں اصلاح چاہتی ہی نہیں ہیں۔ اب وقت آگیا ہے کہ سیاسی جماعتیں عوام میں بے چینی اور عدم اطمینان کا سبب بننے والی اپنی ماضی کی پالیسیوں پر غور کریں"۔

روزنامہ "جنگ" اپنی ۲۲ دسمبر ۱۹۹۶ کی اشاعت کے اداریے میں اسی حقیقت کا اعتراف کرتا ہے:

"الیکشن ۹۷ سے کرپشن کے انسداد، معاشرے میں بنیادی تبدیلیوں، اختیارات کے ناجائز استعمال کے خاتمے، ذاتی اور جماعتی مفادات پر قومی مفادات کی بالادستی کی امید رکھنے والے عوام کو قومی، سیاسی جماعتوں کی

طرف سے امیدواروں کے ناموں کے اعلانات سے مایوسی ہوئی ہے۔ چند ایک کو چھوڑ کر ان میں زیادہ تر وہی لوگ ہیں جو ان تمام سابقہ اسمبلیوں کے رکن بھی رہے ہیں جو ایک طرف تو بدعنوانی' کرپشن' اختیارات کے ناجائز استعمال کے الزامات میں برطرف کی گئیں اور دوسری طرف عوام میں بھی ان کے بارے میں یہی تاثرات نقش ہوئے کہ انھوں نے ان کے مسائل حل کرنے کے لیے ٹھوس کوششیں نہیں کیں۔ مہنگائی ختم کروانے میں دلچسپی نہیں لی۔ بے روزگاری دور کرنے کے لیے کوئی منصوبہ بندی نہیں کی بلکہ نوکریاں فروخت کیں۔ لوگوں کے مختلف کام کروانے کے لیے پیسے وصول کیے۔ اپنے انتخابی حلقوں میں غربت دور کرنے' علاج معالجے' خواندگی بڑھانے اور لوگوں کی زندگی آسان بنانے کے لیے کوئی کوشش نہیں کی۔

"امیدواروں کے ناموں پر مشتمل فہرستیں پڑھ کر اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ قومی سیاسی جماعتوں کے سربراہوں کی پارلیمانی بورڈوں کی انگلیاں حالات کی نبض پر نہیں ہیں۔ انھوں نے عوام کی آنکھوں میں نہیں جھانکا۔ نہ اہل پاکستان کی پیشانیوں پر نقش تحریریں پڑھنے کی زحمت کی ہے۔ انھوں نے عوام کے موڈ کو جاننے کی کوشش ہی نہیں کی ہے۔ عوام محسوس کرتے ہیں کہ قومی سیاسی جماعتیں اپنی پالیسیوں میں موجود خامیاں تسلیم کرنے کو تیار ہی نہیں ہیں۔ وہ یہ ماننا ہی نہیں چاہتیں کہ انھوں نے کبھی کوئی غلطی کی ہے۔ اس لیے وہ اپنی ٹیم میں تبدیلیاں نہیں لانا چاہتے۔

"عوام کا خیال یہ ہے کہ قومی سیاسی جماعتیں کبھی خود تنقیدی سے جائزہ نہیں لیتیں کہ گذشتہ برسوں میں اگر ملک میں سیاسی' اقتصادی اور اخلاقی بحران رہا ہے تو ان کی اپنی پالیسیوں اور کارکردگی کا اس میں کتنا حصہ تھا۔ اگر ان کے پاس اچھی نیمیں ہوتیں' ان کے عہدیدار تدبر کے حامل ہوتے' اور ان کے وفاقی اور صوبائی وزرا سنجیدگی اور ذمہ داری سے ملکی مسائل حل کرنے کی بنیاد رکھتے تو آج ملک کی صورت حال مختلف ہوتی۔ پوری دنیا میں ہماری بدعنوانیوں' غیرذمہ داریوں' نااہلیوں کے چرچے ہیں۔ ملک کے اندر بھی ہر طرف یہی تذکرہ ہے۔ گذشتہ دس برسوں میں جو جماعتیں اور لوگ برسراقتدار رہے ہیں اور وہ جس بیورو کریسی کے ساتھ مل کر حکومت چلاتے رہے ہیں' ابتری' نااہلی اور کرپشن کے ذمہ دار بھی تو وہی ہوں گے اور وہ ارکان اسمبلی بھی ہوں گے جو ان برائیوں کے خلاف آواز بلند کرنے کی بجائے اس کلچر کا ایک حصہ بن کر رہ گئے"۔

اب خود "نوائے وقت" کے ادارتی کالموں سے' جو انتخاب اور مسلم لیگ دونوں کا سب سے بڑا موید ہے' چند اقتباس ملاحظہ ہوں: "مسلم لیگ کے ٹکٹوں کی تقسیم میں نامنصفانہ طرز عمل" کے عنوان سے اداریہ نویس رقم طراز ہے:

"ٹکٹوں کی تقسیم سے پہلے مسلم لیگ نے صحیح لوگوں کو ٹکٹ دینے کے جو بلند بانگ دعوے کیے تھے ان

کے پیش نظر اس بات کا یقین تھا کہ اس بار مسلم لیگ کی قیادت سوچ سمجھ کر ایسے لوگوں کو ٹکٹ دے گی جن کا ماضی صاف اور ریکارڈ اچھا ہو گا اور لوٹے بازی کے ملزموں کو ٹکٹیں نہیں دی جائیں گی۔ لیکن یہاں یہ ہوا کہ جن لوگوں بلکہ لوٹوں نے اخباری اشتہارات کے ذریعے سجدہ سہو کر لیا اور ان کو کمال مہربانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے معاف کر دیا گیا اور انھیں مزید لطف و کرم سے نوازتے ہوئے فراخ دلی سے ٹکٹیں بھی دے دی گئیں۔ اس صورت حال سے اتحادی جماعتیں سخت ناخوش ہوئیں اور ایک اتحادی جماعت کے سربراہ ساجد میر کو یہ کہنا پڑا کہ میاں صاحب کے پاس اے این پی کو دینے کے لیے سب کچھ ہے لیکن ہمارے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔ جبکہ ٹکٹوں کی تقسیم میں جو طرز عمل اختیار کیا ہے اس سے معترضین اور متاثرین یہ پوچھنے میں واقعی حق بجانب ہیں کہ لیگ نے جو نئے امیدوار بنائے ہیں کس معیار پر بنائے ہیں' کئی لوٹوں کو ٹکٹ دے کر اپنے ان وعدوں اور دعووں کی نفی کی گئی ہے کہ لوٹوں کو کسی صورت ٹکٹ نہیں ملے گا جبکہ بعض نے حیرت کا اظہار کیا ہے کہ ایسے بھی ٹکٹ ہولڈر ہیں جن کا حلقے سے کوئی تعلق نہیں اور جن لوگوں کو ٹکٹوں کی تقسیم کے وقت نظرانداز کیا گیا ان میں سے اکثر تو جیتنے کی پوزیشن میں ہیں۔ میاں شہباز شریف نے پنجاب اسمبلی کے ارکان کے استعفوں کا اعلان کرتے ہوئے یہ اعلان کیا تھا کہ ۹۸ ارکان کو ٹکٹ جاری کیے جائیں گے مگر ان میں سے بعض مضبوط' دیانت دار اور مخلص ارکان کو ٹکٹ نہ دے کر وعدہ خلافی کی گئی جبکہ ٹکٹ حاصل کرنے والے بہت سے لوگوں کی کوئی خدمات نہیں ہیں' بہرحال یہ طرز عمل نواز شریف کے لیے نقصان دہ ثابت ہو گا۔ میاں صاحب کو اپنی مقبولیت کے بارے میں خوشامدی افراد کے تجزیوں کو قبول کرنے کے بجائے سیاسی بصیرت کا مظاہرہ کرنا چاہیے اور کھمبوں کے بجائے دیانت دار' مخلص اور انتخاب جیتنے کی اہلیت رکھنے والے افراد کو ترجیح دینی چاہیے"۔ (نوائے وقت' ۲۷ دسمبر ۱۹۹۶)

یہ تو ہے امیدواروں کا حال' اب ذرا ایک جھلک اس پروگرام اور ان وعدوں کی بھی دیکھ لیں جو مسلم لیگ کی قیادت نئے مینڈیٹ کے لیے قوم کے سامنے پیش کر رہی ہے۔ مسلم لیگ کے منشور کے بارے میں بھی "نوائے وقت" ہی کا ادارتی تبصرہ اصل حقیقت کی پردہ کشائی کے لیے کافی ہے:

"مسلم لیگ ایک نظریاتی سیاسی جماعت ہے اور عوام اسے پاکستان کی بانی نظریاتی سیاسی جماعت کی حیثیت سے آنکھوں پر بٹھاتے ہیں۔ منشور کے ابتدائیے میں اگرچہ پاکستان کی نظریاتی اساس کا تذکرہ موجود ہے اور یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ پاکستان مسلم لیگ اسلامی اقدار کو قومی زندگی کے ہر پہلو میں اجاگر کرنے کی بھرپور کوشش کرے گی' لیکن تعلیم' اطلاعات اور ثقافت کے علاوہ معیشت و اقتصادیات کے شعبوں میں اسلامی تعلیمات کے مطابق اصلاحات کا کوئی پیکج پورے منشور میں کہیں موجود نہیں' نہ ہی حکومتی اداروں کو اسلام کی انقلابی تعلیمات کے فروغ کے لیے اپنا فرض ادا کرنے کے لیے متحرک کرنے کی بات کی گئی ہے۔

نظریہ پاکستان کے فروغ اور قائدؒ واقبالؒ کے نظریات سے نوجوان نسل کو آگاہ کرنے کے لیے بھی کسی منصوبے اور کسی اقدام سے منشور کے صفحات خالی ہیں، حالانکہ ۱۹۹۷ قیام پاکستان کی گولڈن جوبلی کا سال ہے اور مسلم لیگ کو اس حوالے سے لازماً اپنا فرض اور کردار ادا کرنا چاہیے۔

"مسئلہ کشمیر اس وقت کشمیری عوام اور پاکستان کے لیے زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ اور کشمیری عوام نے قربانیاں دے کر اسے عالمی سطح پر اجاگر کیا ہے، لیکن مسلم لیگ کے منشور میں اس کا ذکر ایک سطر میں اور وہ بھی ماضی کے حوالے سے کیا گیا ہے۔ کشمیری عوام کو حق خود ارادیت دلانے کے لیے مسلم لیگ کیا کرے گی، یہ بتانے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی، البتہ بھارت سے بہتر تعلقات کی خواہش ضرور کی گئی ہے۔ اسی طرح مسلم ممالک سے ماضی کی طرح تعلقات مزید خوشگوار اور مضبوط بنانے کے لیے کوئی گرم جوشی نظر نہیں آتی، البتہ امریکہ، یورپ اور جاپان سے تعلقات، مضبوط تر بنانے پر زیادہ زور دیا گیا ہے، حالانکہ ان ممالک کی طرح ہمارے دوست اور برادر مسلم ممالک بالخصوص سعودی عرب اور ایران بھی خصوصی توجہ کے مستحق ہیں، اور ترجیحاً چین نمبر ایک پر ہونا چاہیے۔ یہ خوش آیند بات ہے کہ مسلم لیگ نے افواج پاکستان کی دفاعی صلاحیتوں میں اضافے کو ہر چیز پر فوقیت دینے کا اعلان کیا ہے تاکہ پاکستان کی سلامتی کو مستحکم بنایا جا سکے، لیکن قومی سلامتی کے ایٹمی پروگرام کے بارے میں مسلم لیگ کا منشور معذرت خواہانہ لب و لہجہ لیے ہوئے ہے۔ روایتی پرامن مقاصد کے لیے ایٹمی پروگرام پر یقین اور ملک کی نیوکلیئر صلاحیت پر کسی یکطرفہ امتیازی پابندی کی مخالفت اور چیز ہے جبکہ قوم ملکی سلامتی اور دفاع کے لیے ایٹمی ڈیٹرنٹ برقرار رکھنے کی خواہش مند ہے اور میاں صاحب بطور قائد حزب اختلاف نیوکلیئر پروگرام میں پیش رفت کی باتیں کرتے رہے ہیں جو بڑھکوں کے زمرے میں آتی تھیں، مگر منشور میں اس کا تذکرہ نہیں ملتا۔ جبکہ بھارت میں آئے روز ایٹمی میزائلوں کے تجربات اور اس کی فوجی تیاریوں کے پیش نظر منشور میں بھرپور پروگرام شامل ہونا چاہیے تھا اور اس کی تلافی انھیں اب بھی کر دینی چاہیے۔ میاں صاحب کی انتخابی مہم میں بروتھا ڈیم کو قرار واقعی اہمیت دینے اور منشور میں کالا باغ ڈیم کی تعمیر کا مسئلہ شامل نہ کرنے سے صاف ظاہر ہے کہ اپنے بعض سیاسی حلیفوں کو خوش کرنے کے لیے اب اسے طاق نسیاں کی نذر کر دیا گیا ہے اور یہ کہہ کر اپنے موقف کا دفاع نہیں کیا جا سکتا کہ ہم نے ڈیموں کی تعمیر کا وعدہ کیا ہے۔ یہ مداہنت کی پالیسی ہے جو قائداعظمؒ کے نام لیواؤں کو ہرگز زیب نہیں دیتی۔"

"میاں صاحب نے اپنی پریس کانفرنس میں اگرچہ وزارت اطلاعات ختم کرنے کا اعلان کیا مگر پریس کی آزادی کے لیے منشور میں کوئی یقین دہانی نہیں کرائی گئی بلکہ میاں صاحب نے اس سلسلے میں کوئی زبانی وعدہ کرنا بھی مناسب نہیں سمجھا۔ چونکہ مسلم لیگ کے سابقہ دور حکومت میں پریس کے ساتھ مثالی سلوک نہیں

ہوا بلکہ اسی دور حکومت میں ایک اخبار کے خلاف بغاوت کا مقدمہ درج ہوا اور اخبارات کو سابقہ ادوار کی طرح تنگ کرنے کی پالیسی اختیار کی گئی' اس لیے اب کم از کم مسلم لیگ کو اس حوالے سے واضح یقین دہانی کرانی چاہیے اور بتانا چاہیے کہ پریس نے اپنی پیہم جدوجہد سے جو آزادی حاصل کی ہے اس کے تحفظ کے لیے ان کی حکومت کیا سہولتیں فراہم کرے گی۔ الیکٹرانک میڈیا کو بھی آزادی ملے گی یا وہ بدستور حکومتی کنٹرول میں رہے گا۔ اشتہارات پر ریاستی تسلط کا خاتمہ ہو گا یا نہیں۔ نگران حکومت نے حق معلومات کا بل لانے کا جو وعدہ کیا ہے' مسلم لیگی حکومت اسے قانون کا درجہ دے گی یا نہیں؟ سابقہ ناخوشگوار تجربات کے پیش نظر پریس اب واضح اور دو ٹوک یقین دہانی چاہتا ہے تاکہ مسلم لیگ کے برسراقتدار آنے کی صورت میں کم از کم وہ حکومت سے اپنے منشور پر عمل درآمد کا مطالبہ کر سکے۔ منشور میں مسئلہ کشمیر' ایٹمی پروگرام' خواتین کی نشستوں' آزادی صحت اور کالا باغ ڈیم کے حوالے سے جو کوتاہی برتی گئی ہے اس کے پیش نظر نقادوں کا یہ کہنا غلط نہیں ہو گا کہ امریکہ' اسٹیبلشمنٹ اور بعض اہم اتحادی جماعتوں کو خوش کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے اور یہ اقتدار میں آنے کا منشور ہے"۔ (اداریہ نوائے وقت' ۲ جنوری ۱۹۹۷)

یہ ہے حالات کا ایک بے لاگ جائزہ' صرف ہمارے ہی الفاظ میں نہیں بلکہ ان کے الفاظ میں بھی جنھیں تصویر بنا آتی ہے۔ ایسے حالات میں احتساب کے بغیر ۳ فروری کے انتخابات سے کسی بہتر نتیجے کی توقع وہی رکھ سکتا ہے جو حقائق کے مقابلے میں مفاد یا جانب داری کو اہمیت دیتا ہو یا فکری تضاد کا شکار ہو۔ یہی وجہ ہے کہ تحریک اسلامی نے ٹھنڈے دل کے ساتھ اور گہرے سوچ بچار کے بعد اپنے اصل ہدف یعنی ایک حقیقی اسلامی معاشرے کا قیام اور ایک دیانت دار قیادت کو ابھارنے کے لیے ایک واضح منصوبے کے تحت عوامی بیداری اور تحریک احتساب کا راستہ اختیار کیا ہے اور پوری متانت کے ساتھ ۳ فروری ۱۹۹۷ کے الیکشن کا بائیکاٹ کیا ہے:۔

دیر و حرم بھی منزل جاناں میں آئے تھے
یہ شکر ہے کہ بڑھ گئے دامن بچا کے ہم

اس بائیکاٹ کا تعلق صرف ۳ فروری کے الیکشن سے ہے اور اس لیے ہے کہ اگر اس طرح الیکشن کا تماشا ہوتا رہے اور الیکشن محض ایک ڈھونگ بن جائے تو عوام کا اعتماد الیکشن کے اداروں ہی پر ختم ہو جائے گا۔ اس لیے ضروری ہے کہ بیلٹ بکس کے تقدس کی حفاظت کے لیے ان عوامل کی کھلے طور پر نشاندہی کی جائے جن کے بغیر الیکشن نہ صرف یہ کہ بے معنی ہوں گے بلکہ جمہوریت کے ماتھے پر ایک بدنما داغ بن جائیں گے۔

تحریک اسلامی حقیقی جمہوریت کی علم بردار ہے اور وہ سیاست کو ان عناصر سے پاک کرنا چاہتی ہے جو

عوام کی بالادستی اور صاف ستھری جمہوریت کی راہ میں اصل رکاوٹ ہیں۔ ہمارا اصل ہدف اس نظام ظلم کو ختم کرنا اور ان ظالم عناصر کو کیفر کردار تک پہنچانا ہے جو جمہوریت کے قاتل، ملک کی دولت کے لوٹنے والے، اقتدار کو ذاتی اور گروہی مقاصد کے لیے استعمال کرنے والے اور قوم کی سیاسی اور معاشی آزادی کو عالمی ساہوکاروں اور سامراجی قوتوں کے ہاتھوں گروی رکھنے والے ہیں۔ تحریک اسلامی اس مقصد کے حصول کے لیے عوام کو بیدار کرنے، ان کو منظم کرنے اور ان کی منظم قوت کے ذریعے سیاسی تبدیلی کی جدوجہد کر رہی ہے، انتخاب اس کا ایک ذریعہ ہیں۔ اسی طرح احتجاج، دھرنا اور بائیکاٹ بھی اس کا ایک دستوری اور جمہوری ہتھیار ہیں۔ یہ تحریک خالص عوامی، جمہوری اور ہر قسم کے تشدد اور بدامنی سے پاک رہی ہے اور ان شاء اللہ رہے گی۔ اور اب یہی وہ راستہ رہ گیا ہے جس سے نظام کی تبدیلی اور نئی قیادت کے ابھرنے کا روشن امکان ہو۔ مومن کی فراست کا تقاضا ہے کہ وہ ایک سوراخ سے بار بار نہ ڈسا جائے۔ مفاد پرست قوتوں کا کھیل بہت واضح ہے۔ وقت کی ضرورت یہ ہے کہ مفاد پرستوں کے بچھائے ہوئے جال سے بچ کر قوم کو اس کے اصل نصب العین کی طرف پیش قدمی کے لیے منظم کیا جائے اور اس سلسلے میں کسی قربانی سے دریغ نہ کیا جائے۔ یہی آج پاکستان کو بچانے اور اسے اس کی منزل کی طرف گامزن کرنے کا راستہ ہے۔ آج اسلام اور پاکستان سے محبت کا تقاضا ہے کہ اس تحریک کو برپا کرنے اور اس تبدیلی کو حقیقت میں ڈھالنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دی جائے۔ اس لیے کہ :۔

یا مردہ ہے یا نزع کے عالم میں گرفتار
جو فلسفہ لکھا نہ گیا خون جگر سے

خرّم بھائی ——— رفتید ولے نہ از دلِ ما

خورشید احمد

زندگی کی سب سے بڑی حقیقت موت ہے لیکن طرفہ تماشا ہے کہ یہ حقیقت بالعموم آنکھوں سے اوجھل رہتی ہے اور آنکھ اس وقت کھلتی ہے جب انسان اپنی کسی قیمتی متاع سے محروم ہو جاتا ہے ——— جبھی تو خالق ارض و سما نے موت کو بھی اپنی نشانیوں میں شمار کیا ہے' اور یہ ہے بھی بڑی ہی ہلا دینے والی نشانی۔

خرم بھائی لیسٹر کے گلین فیلڈ ہسپتال میں ۱۹ دسمبر ۱۹۹۶ / ۹ شعبان ۱۴۱۷ھ کو دل کے تیسرے آپریشن کے اختتام پر ہم سے جدا ہو گئے اور میں ہی نہیں' ملت اسلامیہ کے ہزاروں سوگواروں کو دل گرفتہ چھوڑ کر اپنے محبوب سے جا ملے:۔

من نمی گویم گل و باغ و بہار از دست رفت
یک بہشتِ آرزو یعنی کہ یار از دست رفت

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

خرم بھائی میرے لیے صرف ایک عزیز دوست اور غم خوار ساتھی ہی نہ تھے' میرے سچے محسن اور مربی بھی تھے۔ بظاہر ہم نے زندگی کی نصف صدی تحریک اسلامی کے جلو میں شانہ بہ شانہ گزاری اور لوگوں کی نگاہ میں ہمارے درمیان رشتہ ایک گونہ برابری کا تھا' نظم و انتظام کی دنیا میں کبھی وہ میرے قائد رہے اور کبھی انھوں نے میری قیادت میں کام کیا لیکن حقیقت یہ ہے دل کی دنیا میں قیادت اور بزرگی ہمیشہ خرم ہی کو حاصل رہی اور میں نے اگست ۱۹۴۹ میں تعلقات کی ابتدا سے لے کر دسمبر ۱۹۹۶ میں ان کے دم آخریں تک اپنے جس ساتھی سے سب سے زیادہ سیکھا اور جسے اللہ کی خاطر سب سے زیادہ چاہا وہ خرم بھائی ہی تھے۔ ؎

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

مولانا مودودیؒ نے اگر میرے فکر و خیال کی دنیا کو روشن کیا تو چودھری غلام محمد مرحوم اور خرم بھائی نے مجھے تحریکی زندگی کے ہر مرحلے کو سمجھنے اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کی سعی و جہد میں میری سب سے زیادہ معاونت اور رہنمائی کی ——— اور یہ رہنمائی استاد اور شاگرد والے انداز میں نہیں بلکہ ہم سفر اور چارہ گر

رفیق اور ساتھی کی حیثیت سے کی' اور گفتار سے کہیں زیادہ کردار اور نمونے کی شکل میں کی۔ میں نے خرم کو بہت قریب سے دیکھا اور ہمارے درمیان شاید ہی کوئی پردہ رہا ہو' لیکن میں اللہ کو گواہ کر کے شہادت دیتا ہوں کہ خرم بھائی ان چند خوش نصیب افراد میں سے ایک تھے جن کی زندگی اس تاریک دور میں' اسلام اور اس کے خلق کی ایک زندہ مثال تھی اور جن کے فکر اور جن کی سیرت کا خلاصہ اللہ سے محبت' اللہ کے دین کی خدمت اور اللہ کے بندوں کو دنیا اور آخرت میں بربادی سے بچانے کے لیے شب و روز کی محنت تھی۔

آج ملت اسلامیہ کی بدبختی ہے کہ ہم کرۂ ارض پر کسی ایسے خطے کی نشاندہی تو نہیں کر سکتے جہاں اسلام کا نظام اپنی تمام تابناکیوں کے ساتھ قائم ہو لیکن الحمدللہ ہر دور میں ایسے افراد اس امت کا اصل سرمایہ رہے ہیں جن کی زندگیاں شمع ہدایت کے پرتو سے روشن اور دوسروں کے لیے روشنی کا چراغ رہی ہیں۔ اور اللہ کی برکتیں اور نعمتیں نازل ہوں خرم بھائی پر جن کی زندگی اس تنگ و تاریک دور میں ایک ایسی ہی شمع کی مانند تھی اور میں نے اور ہزاروں انسانوں نے اس شمع سے کسب نور کیا۔ شاید سعدی نے بھی کسی ایسی ہی پرنور شخصیت کا ماتم کرتے ہوئے کہا تھا کہ ؎

رفتم و از رفتنِ من عالمے تاریک شد
من مگر شمعم چو رفتم بزم برہم ساختم

خرم بھائی کی زندگی کے بے شمار پہلو ہیں جن سے میں نے اور میرے ہزاروں ساتھیوں نے بہت کچھ سیکھا لیکن جس چیز نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ خرم بھائی کی مقصد سے لگن اور دین کے بارے میں یکسوئی ہے۔ انھوں نے بالکل ابتدائی عمر میں لیکن بہت سوچ سمجھ کر اسلام کو شعوری طور پر قبول کیا اور پھر پوری زندگی بڑی یکسوئی' بڑے اطمینان' بڑے اعتماد اور بڑے وقار کے ساتھ اپنے آقا کی بندگی میں گزاری اور اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا کی ایک جیتی جاگتی تصویر ہمارے سامنے پیش کر دی۔ خواہ طالب علمی کا دور ہو یا تدریس اور ملازمت کا' کارکن ہوں یا افسر' ذاتی اور خانگی زندگی ہو یا اجتماعی اور تحریکی زندگی' صاحب امر ہوں یا مامور' آزاد ہوں یا پابند طوق و سلاسل' ملک میں ہوں یا ملک سے باہر ـــــ غرض ہر رنگ میں اور ہر مقام پر ان کی دلچسپیوں اور ترجیحات کا محور صرف اللہ کی خوشنودی اور دین کی بالادستی کی جدوجہد تھی۔ جیسی یک رنگی اور یکسوئی میں نے خرم بھائی کی زندگی میں دیکھی اور جتنا سکون اور اطمینان اس راستے پر گامزن ہونے پر ان کے رویے میں پایا وہ مثالی تھا۔ اس ۴۷ سالہ رفاقت پر اور زندگی کے ہر دور میں ان کے کردار اور ان کی استقامت پر نظر ڈالتا ہوں تو بے اختیار دل گواہی دیتا ہے:

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا

(الاحزاب ۳۳:۲۳)

ایمان لانے والوں میں ایسے لوگ ہیں جنھوں نے اللہ سے کیے ہوئے عہد کو سچا کر دکھایا۔ ان میں سے کوئی اپنی نذر پوری کر چکا اور کوئی وقت آنے کا منتظر ہے۔ انھوں نے اپنے رویے میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔

خرم بھائی کی زندگی میں اس یکسوئی اور اطمینان کا راز کیا تھا؟ جہاں تک میں نے غور کیا اور جتنا میں نے ان کو قریب سے دیکھا، میں نے پایا کہ انھوں نے اپنی زندگی کا اصل مرکز اور اپنی دلچسپیوں کا حقیقی محور قرآن پاک کو بنایا۔ اپنے تمام ساتھیوں میں، میں نے خرم بھائی کو سب سے زیادہ قرآن میں ڈوبا ہوا پایا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ان کا سب سے قریبی دوست اور ساتھی، ان کا اصل رہبر اور مرشد، ان کا حقیقی مونس اور غم خوار، ان کی جلوتوں کی رونق اور ان کی خلوتوں کا ہم نشین قرآن تھا۔ قرآن سے ان کا یہ تعلق نوجوانی ہی میں قائم ہو گیا اور پھر ان کی ساری زندگی وہی ان کا دم ساز رہا۔ جتنا وقت انھوں نے قرآن کی معیت میں گزارا اور جو کوششیں انھوں نے قرآن کو سمجھنے اور سمجھانے کی کیں، وہ منفرد تھیں۔ ان کی تحریریں اور تقریریں قرآن کی روشنی سے منور اور انسان کو قرآن سے جوڑنے کا ذریعہ ہیں۔ وہ کہتے تھے کہ صرف یہی کتاب انسان کی زندگی میں انقلاب برپا کر سکتی ہے اور تحریک اسلامی کی کامیابی کا بھی صرف ایک راستہ ہے اور وہ عوامی سطح پر ہر انسان کے رشتے کو قرآن سے استوار کرنے سے عبارت ہے۔ جمعیت کے دور سے لے کر اسلامک فاؤنڈیشن میں ان کے آخری لمحات تک، میں نے دیکھا کہ ان کا اوڑھنا اور بچھونا قرآن ہے اور قرآن سے لوگوں کو جوڑنے اور اس کے پیغام کو عام کرنے کے لیے انھوں نے اپنی زندگی کو وقف کر دیا ہے۔

خرم بھائی کی سیرت و کردار اور ان کی دعوتی اور تحریکی سرگرمیاں سب ہی روشنی کے مینار ہیں اور ان کے ہر پہلو پر بات کرنے کو دل چاہتا ہے لیکن میں جس پہلو کو سب سے زیادہ اہمیت دیتا ہوں وہ قرآن سے ان کا تعلق اور قرآن کو اپنی زندگی اور اپنی فکر میں اسی طرح رچا بسا لینا ہے کہ اگر مجھے غلط نہ سمجھا جائے تو میں کہوں گا کہ خود مجھے خرم کی زندگی سے اقبال کے اس شعر کی معنویت کو سمجھنے میں مدد ملی جس کے بارے میں ایک زمانے تک، میں خود کچھ تردد محسوس کرتا تھا۔

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

میری نگاہ میں اس کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ خدانخواستہ قرآن انسان کا روپ دھار لیتا ہے۔ اس کے تو معنی صرف یہ ہیں کہ حقیقی مومن وہ ہے جو قرآن کو اپنی زندگی کا شعار بنا لے اور اسی کا ہو کر رہے تاآں کہ اس کے خیالات و افکار اور اس کے اعمال و اطوار سے قرآن کی مہک آنے لگے۔ اپنے ساتھیوں میں، میں نے خرم بھائی کو قرآن سے جتنا قریب پایا وہ بڑا ایمان افروز تھا۔

خرم بھائی نے قرآن کی جو خدمت کی ہے، اس کے پیغام کو دنیا میں پھیلانے کے لیے اور اس کے

ذریعے اللہ کے بندوں کی زندگیوں کو منور کرنے کے لیے جو سعی و جہد انھوں نے کی ہے، وہ ان کی خدمات میں سب سے روشن اور تابناک ہے۔ درس و تقریر اور تربیتی پروگراموں کے ذریعے تو ان کی خدمات مسلم ہیں لیکن اس سے بڑھ کر خرم بھائی نے اپنے قلم کے ذریعے قرآن کے پیغام کو پہنچانے کے لیے وقیع کوششیں کی ہیں جن کا اہل وطن کو کم ہی علم ہے۔ ان کی انگریزی کتاب Way to the Quran "شاہراہ قرآن" ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ کتاب خصوصیت سے مغربی ممالک میں انگریزی دان طبقے کے لیے لکھی گئی اور انگلستان اور پاکستان سے اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ اس کتاب میں بڑے سادہ لیکن بے حد دلکش اور موثر انداز میں اللہ کے بندوں کو قرآن سے جوڑنے اور انھیں قرآن کے پیغام کو سمجھنے کا راستہ دکھایا گیا ہے۔ زندگی میں قرآن کے مقام سے لے کر اس کی تلاوت، تفہیم، تعلیم اور تنفیذ تک ہر پہلو پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ قرآن سے استفادے کے اصول اور اس کے عملی طریقے کھول کر بیان کیے گئے ہیں۔ مزید مطالعہ، تحقیق اور سب سے بڑھ کر قرآن کے پیغام کو اپنی زندگیوں میں رچانے بسانے کے اسلوب بیان کیے گئے ہیں اور پھر قاری کو اس مشن کی طرف دعوت دی گئی ہے جو قرآن نے اشرف المخلوقات کے لیے منتخب کیا ہے۔ اس کتاب نے مغرب اور اسلامی دنیا میں ہزاروں افراد کا رشتہ قرآن سے جوڑا ہے اور یہ ایک عظیم صدقہ جاریہ ہے۔

قرآن کے دیے ہوئے نظام زندگی کو خرم بھائی نے دو نہایت گراں قدر مضامین میں پیش کیا ہے جو Shariah: The Way to God اور Shariah: The Way to Justice کے ناموں سے شائع ہو چکے ہیں۔ مالک حقیقی سے ملنے سے قبل وہ چار اہم کتابوں کے مسودے تیار کر چکے تھے جن کا محور بھی قرآن اور سیرت پاک ہی ہے۔ ایک کتاب میں قرآن کے پیغام پر مشتمل انتخاب ہے جو A Quranic Treasure کے نام سے آ رہی ہے۔ دوسری ان کی اہم کتاب Major Themes in Quran ہے جو انھوں نے یونیسکو کے ایک علمی پراجیکٹ کے ایک حصے کے طور پر لکھی ہے۔ اصلاً یہ تحریر کتاب کا ایک باب تھی جو قرآن کے مضامین اور اس کے اسلوب پر ایک گراں قدر تصنیف بن گئی۔ یہ کتاب میری نگاہ میں مولانا مودودیؒ کے مقدمہ "تفہیم القرآن" کے بعد قرآن کے پیغام کو عالمی سطح پر پیش کرنے کی اس دور کی مفید ترین خدمت ہے۔ یہ کتاب خرم بھائی کے فہم قرآن کا آئینہ ہے، نیز دور حاضر کے انسان کے لیے قرآن کے پیغام پر ایک علمی اور دعوتی شاہکار ہے۔ یہ بھی عرض کروں کہ کم و بیش اس موضوع پر گذشتہ بیس سال میں ڈاکٹر فضل الرحمٰن اور مشہور مستشرق کینتھ کریگ (Kenneth Cragg) نے کئی کتابیں لکھی ہیں اور مغرب کے علمی حلقوں میں ان کی بڑی دھوم ہے لیکن میں پورے یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ ان تمام مباحث کی روشنی میں جو اس دور میں اٹھائے گئے ہیں خرم بھائی کی یہ کتاب برہان قاطع کی حیثیت

رکھے گی اور اسے خرم بھائی کی فکری خدمات میں ایک نمایاں ترین مقام حاصل رہے گا۔

آخری دنوں میں ان کتابوں کے علاوہ انھوں نے سورۃ البقرہ کے مضامین کے تعارف اور اس کے اندرونی نظم پر ایک بڑا مفید کتابچہ لکھا ہے جو Key to Al-Baqarah کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ اسی سلسلے میں خرم بھائی نے پچھلے دنوں دو اور کتابیں تیار کی ہیں یعنی Gifts from Mohammad اور Who is Mohammad? - اس کے علاوہ خرم بھائی نے سیرت پاکؐ پر ایک ویڈیو بھی اپنی نگرانی میں تیار کرائی تھی جس کا اسکرپٹ انھی کا لکھا ہوا ہے اور انھی کی رہنمائی میں یہ کامیاب دعوتی کیسٹ تیار ہوا ہے جس سے ہزاروں انسان استفادہ کر رہے ہیں۔

قرآن ہی کی روشنی میں خرم بھائی کی دلچسپی کا دوسرا اہم موضوع تربیت اور تزکیہ رہا ہے۔ طالب علمی ہی کے زمانے میں وہ جمعیت کے تربیتی نظام کے نگران تھے۔ ان کی پہلی کتاب "تحریک اسلامی میں کارکنوں کے باہمی تعلقات" ہے جو جمعیت کے زمانے ہی میں تیار ہوئی اور جس سے آج تک ہزاروں افراد نے روشنی حاصل کی ہے۔ اس کتاب کا مرکزی مضمون وہ اخوت اور محبت ہے جس میں اللہ کا دین اپنے ان بندوں کو جوڑتا ہے جو اس کی دعوت پر لبیک کہتے ہیں۔ اس میں صرف تحریک اسلامی کی نہیں پورے اسلامی معاشرے کی مثالی تصویر پیش کی گئی ہے، اجتماعیت کی بنیادوں کو اجاگر کیا گیا ہے اور ان اوصاف کی نشاندہی کی گئی ہے جن سے یہ بنیادیں مستحکم ہوتی ہیں اور ان خرابیوں سے خبردار کیا گیا ہے جو اسلامی زندگی کو تباہ و برباد کر دیتی ہیں۔

تربیت اور تزکیہ کا یہ پہلو خرم بھائی کی تمام تحریروں میں غالب ہے۔ ان کے خطوط اور ان کے نیم سوانحی خاکے بھی اسی نور سے منور ہیں "لمعات زنداں" ہو یا "ترجمان القرآن" کے لیے فہم قرآن کا انتخاب اور "کلام نبویؐ کی صحبت" کی محفلیں۔ دل کی پاکی، روح کی بالیدگی، اخلاق کا سنوار، مقصد سے عشق، راہ حق میں جدوجہد اور جان دینے کی آرزو، کفر اور ظلم کی قوتوں سے نبرد آزمائی، آخرت کی جستجو اور رفیق اعلیٰ کی چاہت---- یہی وہ پھول ہیں جن سے فکر خرم کا گلدستہ آراستہ ہے۔

خرم بھائی نے بچوں اور نوجوانوں کے لیے دینی ادب کے باب میں بھی بڑی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ انھی کی نگرانی اور ادارتی نظم کے تحت اسلامک فاؤنڈیشن لیسٹر میں یہ کام شروع ہوا۔ خرم بھائی نے خود ایک درجن کے قریب کتب تیار کیں۔ یہی وہ لٹریچر ہے جس نے مغرب میں مسلمانوں کی نئی نسل کو ان کے دین کی بنیادی اقدار سے روشناس کرایا ہے اور ان کو دور رسالتؐ کی ایسی ایمان افروز جھلکیاں دکھائی ہیں جن کی بنا پر وہ اپنے دین اور اپنی تاریخ پر فخر کر سکتے ہیں۔

خرم بھائی نے تحریک اسلامی، اس کے مقصد، نصب العین، اس کی دعوت اور حکمت انقلاب، دور حاضر میں اس کے طریق کار اور اسلوب دعوت کے باب میں بھی حقیقی مباحث کا اضافہ کیا ہے۔ "ترجمان القرآن" میں وہ پاکستان اور اسلامی دنیا میں تحریک اسلامی کے کردار پر برابر لکھتے رہے ہیں۔ اسی طرح اپنے انگلستان کے قیام کے

دوران انھوں نے مغرب میں اسلامی دعوت اور تحریک اسلامی کی حکمت عملی پر دو بڑی قیمتی دستاویزات تیار کیں جن کا بڑا گہرا اثر وہاں کی اسلامی تحریکات اور ان کے طریق کار اور ترجیحات پر پڑا ہے۔
Islamic Movement in The West: Reflections on Some Issues (1981) اور Dawah Among Non Muslims in The West: Some Conceptual and Methodological Aspects (1986) ان کی دو بڑی قیمتی تحریریں ہیں۔ ان تحریروں میں مغرب میں دعوت کے منہج کے سلسلے میں خرم بھائی وہی کام کرتے نظر آتے ہیں جو داعی تحریک اسلامی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے برصغیر کے حالات کی روشنی میں اس صدی کے وسط میں انجام دیا۔ ان مباحث کا سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ خرم بھائی نے اجتہادی شان کے ساتھ مغرب کے تہذیبی پس منظر اور مسلمانوں کی اقلیتی حیثیت کو سامنے رکھ کر تحریک اسلامی کے اہداف اور ترجیحات کو اس طرح متعین کرنے کی کوشش کی ہے کہ ایک طرف اس کے عالمی پیغام اور ملت اسلامیہ کی وحدت پر کوئی آنچ نہ آنے پائے اور دوسری طرف جس ثقافتی، تہذیبی اور سیاسی پس منظر میں یورپ اور امریکہ میں آج دعوت اسلامی پر کام کرنے کی ضرورت ہے اس کے پیش نظر کام کا ایک ایسا نقشہ مرتب کر دیا جائے جس کے نتیجے میں اسلامی تحریک ان ممالک میں ایک migrant phenomenon نہ ہو بلکہ اس سرزمین کی حقیقی اسلامی تحریک بن سکے اور اس معاشرے کو تباہی سے بچانے اور اسلام کا گہوارہ بنانے میں ایک موثر کردار ادا کر سکے۔ نیز اسلامی تحریک کو ایک ایسی ہمہ گیر تحریک کی حیثیت سے روشناس کرایا جا سکے جو فرد کے قلب و نظر اور اس کے اخلاق اور کردار کو بدلتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اجتماعی رواداری کی تشکیل نو کا کام بھی انجام دیتی ہے۔ اس سلسلے میں اس پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے کہ مسلمان کیمونٹی کی اجتماعی زندگی کیسی ہو اور اس پر بھی کہ وہ جس قوم اور معاشرے میں کام کر رہی ہے اس کی اصلاح کیسے کرے۔ خرم بھائی نے مولانا مودودی کے اس تصور کو بڑی تفصیل سے اجاگر کیا ہے کہ جب تک اس سوسائٹی کے افراد اسلام کے علمبردار نہیں بنتے اور ایک موثر مقامی اسلامی تحریک وجود میں نہیں آتی اس وقت تک مغربی معاشرے میں اسلام کی دعوت کے اصل اہداف پورے نہیں ہو سکتے۔

خرم بھائی کے ان افکار نے یورپ، امریکہ اور جنوبی افریقہ میں اسلامی تحریکوں اور تنظیموں کو اپنے حالات اور وقت کے تقاضے سمجھنے میں بڑی مدد دی ہے اور آج عالمی تحریک اسلامی کی جو صورت نظر آ رہی ہے اس کی صورت گری میں الحمدللہ خرم بھائی کا بھی نمایاں حصہ ہے۔ جس کا اعتراف وہاں کے اہل قلم بھی کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں امریکہ سے آکسفورڈ یونیورسٹی سے شائع ہونے والی کتاب Islamic Dawah in the West (مصنفہ Lary Paston) نے ایک باب خرم بھائی کی فکری خدمات کے لیے مخصوص کیا ہے اور اس کا عنوان

Khurram Murad: Contextualization of the Islamic Movement for the Western Audience رکھا ہے۔ اسی طرح عبداللہ طیب کی کتاب Islamic Resurgence in South Africa کے چھٹے باب میں اس امر کا اعتراف کیا گیا ہے کہ:

"دسمبر ۱۹۸۴ میں منعقدہ اسلامی تربیت گاہ نے جنوبی افریقہ کے مسلمانوں کے لیے دعوت و تحریک کے سلسلے میں بالکل ایک نئے باب کا اضافہ کیا۔ اس پروگرام میں انگلستان سے جماعت اسلامی کے ذمہ دار حضرات نے شرکت کی جن میں خرم مراد بھی تھے۔ ان حضرات نے تحریک اسلامی کے مستقبل کے سلسلے میں اپنے تجربات اور افکار سے ہمیں روشناس کیا۔ خصوصیت سے اس پہلو سے کہ جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں وہاں کیسے کام کریں؟ خرم کا اصرار تھا کہ اگرچہ مسلم ممالک میں حکومت اور اقتدار کا حصول اسلامی تحریکات کا ہدف ہے لیکن اسے من و عن مسلم اقلیتی ممالک میں دہرانا مفید نہیں ہو سکتا۔ ان ممالک کے حالات کی روشنی میں اولین ہدف کے طور پر سوسائٹی کے اہم اداروں کو اسلام سے روشناس کرانا زیادہ مفید حکمت عملی ہو سکتی ہے۔ خرم کے ان خیالات نے کیپ ٹاؤن اور نیٹال کے نوجوانوں کو متاثر کیا اور انھوں نے مقامی سیاست میں اس طرح دلچسپی لینا شروع کی کہ ایک نسل پرست ریاست میں اسلام کی بنیاد پر ایک اجتماعی اور سیاسی رول کو فروغ دیا جا سکے۔(ص ۱۴۲-۱۴۱)

یہ چند مثالیں خرم بھائی کے اس رول پر روشنی ڈالتی ہیں جو انھوں نے عالمی اسلامی تحریک کی تشکیل و تعمیر کے لیے انجام دیا۔ فجزاھم اللہ خیر الجزاء۔

مجھے اللہ تعالیٰ نے مولانا مودودیؒ کے افکار و نظریات کو انگریزی دان طبقے اور مغربی ممالک میں روشناس کرانے کی سعادت بخشی اور اس سلسلے میں تقریباً تمام ابتدائی کتب میری ہی ترجمہ کردہ ہیں۔ الحمدللہ اپنے انگلستان کے قیام کے دوران خرم بھائی نے بھی اس میدان میں بڑی گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ میری اور ان کی مشترکہ ادارت میں Islamic Way of Life کا نیا ایڈیشن شائع ہوا۔ پھر "خطبات" کا ترجمہ Let us be Muslims کے نام سے خرم بھائی نے کیا جو بے حد مقبول ہوا۔ اس کے علاوہ "شہادت حق" اور "تحریک اسلامی کی اخلاقی بنیادیں" کا بڑی خوبصورت انگریزی میں ترجمہ کیا اور صرف ترجمہ ہی نہیں کیا بلکہ ان دونوں کتابوں پر بڑی قیمتی تعارفی اور توضیحی تحریروں کے ذریعے فکر مودودی کی بڑی محکم ترجمانی کی خدمت انجام دی اور مولانا مرحوم کے اسلوب فکر کی روشنی میں ان مباحث کو مزید آگے بڑھانے کا ذریعہ بنے جس کا آغاز مولانا محترم نے کیا تھا۔ اس طرح خرم بھائی نے مغربی دنیا میں مولانا مودودی کے دبستان فکر کے ایک موثر ترجمان کا کردار ادا کیا۔

میرے لیے خرم بھائی کا اٹھ جانا ایک ذاتی سانحہ بھی ہے۔ بلاشبہ ان کے چلے جانے سے تحریک اسلامی میں ایک عظیم خلا واقع ہوا ہے لیکن خالص ذاتی سطح پر میرا حال یہ ہے کہ جیسے ہر شے میں کسی شے کی کمی پاتا

ہوں۔ دل چاہتا تھا کہ ذاتی نوعیت کے تاثرات میں قارئین "ترجمان القرآن" کو شریک کروں لیکن وقت کی کمی اور صحت کی پسماندگی کے باعث اس تحریر میں، میں نے کوشش کی ہے کہ خرم بھائی کی ان فکری اور تحریکی خدمات کا اختصار سے ذکر کروں جو غالباً قارئین "ترجمان القرآن" اور ہم وطن تحریکی ساتھیوں کے علم میں پوری طرح نہیں ہیں۔ جہاں تک میرا تعلق ہے یہی کہہ سکتا ہوں کہ :۔

مرگ عاشق تو کچھ نہیں لیکن
اک مسیحا نفس کی بات گئی

اتنا ضرور کہنا چاہتا ہوں کہ خرم بھائی پر دل کا پہلا دورہ ۱۹۶۶ میں ڈھاکہ میں پڑا تھا۔ اس کے بعد چھ سات بار یہ حملہ ہوا، دو بار آپریشن ہوا، ۱۹۸۳ اور پھر ۱۹۸۶ میں۔ آخری سال میں تو عالم یہ تھا کہ چند قدم چلنے کے لیے بھی گولی کھانا پڑتی تھی اور اس حالت سے مجبور ہو کر بالاخر تیسرے اور نسبتاً خطرناک آپریشن کا فیصلہ ہوا۔ مجھے اس پورے زمانے میں خرم بھائی کی معیت کی سعادت حاصل رہی۔ ہر آپریشن کے وقت میں ان کے پاس تھا۔ بیماری کے سارے مراحل میری نظروں سے گزرے لیکن میں گواہی دیتا ہوں کہ خرم بھائی کبھی بیماری یا موت سے خائف نہیں ہوئے۔ خراب سے خراب حالت میں بھی وہ اپنی علمی، دعوتی اور تحریکی سرگرمیوں میں مشغول رہے اور ان کا ذوق دعوت و خدمت ان کو برابر مہمیز دیتا رہا اور اپنے آخری لمحات تک دین کی خدمت کی جدوجہد میں مصروف رہے، اور :۔

تنم بسوخت دلم سوخت استخوانم سوخت
تمام سوختم و ذوق سوختن باقیست

ان کی زندگی بھی بندگی اور خدمت سے عبارت تھی اور ان کی موت بھی شکر و رضا کا ایک نمونہ! اور محض محاورتاً نہیں حقیقتاً۔ ہم سب نے دیکھا کہ : ؎

چوں مرگ آید تبسم برلب اوست

جہاں انتقال ہوا اور جس سرزمین پر اسلام کی دعوت پھیلانے میں وہ دو عشروں تک مصروف رہے وہیں سیدی حضرت ابوؓ ایوب انصاریؓ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے اپنی وصیت کے مطابق دفن ہوئے۔ اخوان المسلمون کے نائب مرشد عام ڈاکٹر حسن الہویدی نے نماز جنازہ پڑھائی۔ تیونس کی تحریک اسلامی کے سربراہ شیخ راشد الغنوشی اور مجھے تعزیتی کلمات ادا کرنے کی سعادت ملی اور بالآخر پورے یورپ کی اسلامی تحریکوں اور تنظیموں کے سیکڑوں سوگوار کارکنوں نے جس کی امانت تھی اس کے سپرد کر دی۔ بہ ادنیٰ تصرف :۔

ہے رشک ایک خلق کو خرم کی موت پر
یہ اس کی دین ہے جسے پروردگار دے

عید مبارک

سیّد ابوالاعلیٰ مودودی

میں آپ کو اور اپنے تمام مسلمان بھائیوں کو عید کی مبارک باد دیتا ہوں۔ عید کی مبارک باد کے حقیقی مستحق وہ لوگ ہیں جنھوں نے رمضان المبارک میں روزے رکھے، قرآن مجید کی ہدایت سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی فکر کی، اس کو پڑھا، سمجھا، اس سے رہنمائی حاصل کرنے کی کوشش کی اور تقویٰ کی اس تربیت کا فائدہ اٹھایا جو رمضان المبارک ایک مومن کو دیتا ہے۔ قرآن مجید میں رمضان کے روزوں کی دو ہی مصلحتیں بیان کی گئی ہیں، ایک یہ کہ ان سے مسلمانوں میں تقویٰ پیدا ہو۔ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (البقرہ ۲:۱۸۳) "تم پر روزے فرض کیے گئے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم میں تقویٰ پیدا ہو"۔ دوسری یہ کہ مسلمان اس نعمت کا شکر ادا کریں جو اللہ تعالیٰ نے رمضان میں قرآن مجید نازل کر کے ان کو عطا کی ہے۔ لِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَى مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (البقرہ ۲:۱۸۵) "تاکہ تم اللہ کی تکبیر کرو اور اس کا شکر ادا کرو، اس ہدایت پر جو اس نے تمھیں دی ہے"۔

دنیا میں اللہ جل شانہٗ کی سب سے بڑی نعمت نوعِ انسانی پر اگر کوئی ہے تو وہ قرآن مجید کو نازل کرنا ہے۔ تمام نعمتوں سے بڑھ کر یہ نعمت ہے، اس لیے کہ رزق اور اس کے جتنے ذرائع ہیں، مثلاً یہ ہوا اور یہ پانی اور یہ غلے اور اسی طرح معیشت کے جو ذرائع ہیں، جن سے انسان اپنے لیے روزی کماتا ہے، مکان بناتا ہے، کپڑے فراہم کرتا ہے، یہ ساری چیزیں بھی اگرچہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور احسان ہی ہیں، لیکن یہ فضل و احسان اور اللہ تعالیٰ کی یہ نعمتیں محض انسان کے جسم کے لیے ہیں۔ قرآن مجید وہ نعمت ہے جو انسان کی روح کے لیے، اس کے اخلاق کے لیے اور درحقیقت اس کی اصل انسانیت کے لیے نعمت عظمیٰ ہے۔ ایک مسلمان اللہ تعالیٰ کا شکر اسی صورت میں صحیح طور پر بجا لا سکتا ہے، جبکہ وہ اس کے دیے ہوئے رزق پر بھی شکر ادا کرے اور اس کی دی ہوئی اس نعمت ہدایت کے لیے بھی شکر ادا کرے جو قرآن کی شکل میں اس کو دی گئی ہے۔ اس کا شکر ادا کرنے کی یہ صورت نہیں ہے کہ آپ بس زبان سے شکر ادا کریں اور کہیں کہ اللہ تیرا

شکر کہ تو نے قرآن ہمیں دیا' بلکہ اس کے شکر کی صحیح صورت یہ ہے کہ آپ قرآن کو سرچشمہ ہدایت سمجھیں' دل سے اس کو رہنمائی کا اصل مرجع مانیں اور عملاً اس کی رہنمائی کا فائدہ اٹھائیں۔

قرآن مجید آپ کو اپنی ذاتی زندگی کے متعلق ہدایت کرتا ہے کہ آپ کس طرح سے ایک پاکیزہ زندگی بسر کریں۔ وہ آپ کو ان چیزوں سے منع کرتا ہے جو آپ کی شخصیت کی نشوونما کے لیے نقصان دہ ہیں۔ وہ آپ کو وہ چیزیں بتاتا ہے جن پر آپ عمل کریں تو آپ کی شخصیت صحیح طور پر نشوونما پائے گی اور آپ ایک اچھے انسان بن سکیں گے۔ وہ آپ کی اجتماعی زندگی کے متعلق بھی مفصل ہدایات آپ کو دیتا ہے۔ آپ کی معاشرتی زندگی کیسی ہو۔ آپ کے گھر کی زندگی کیسی ہو۔ آپ کے تمدن اور آپ کی تہذیب کا نقشہ کیا ہو۔ آپ کی ریاست کن طریقوں پر چلے۔ آپ کا قانون کیا ہو۔ آپ کی معاشرتی زندگی کا نظام کیسا ہو۔ کن طریقوں سے آپ اپنی روزی حاصل کریں۔ کن راہوں میں آپ اپنی کمائی ہوئی دولت کو خرچ کریں اور کن راہوں میں نہ کریں۔ آپ کا تعلق اپنے خدا کے ساتھ کیسا ہو۔ آپ کا تعلق خود اپنے نفس کے ساتھ کیسا ہو' آپ کا تعلق خدا کے بندوں کے ساتھ کیسا ہو' اپنی بیوی کے ساتھ' اپنی اولاد کے ساتھ' اپنے والدین کے ساتھ' اپنے رشتے داروں کے ساتھ' اپنے معاشرے کے افراد کے ساتھ اور دنیا کے تمام انسانوں کے ساتھ' حتیٰ کہ جمادات اور حیوانات کے ساتھ اور خدا کی دی ہوئی تمام مختلف نعمتوں کے ساتھ آپ کا برتاؤ کیسا ہونا چاہیے۔ زندگی کے ان سارے معاملات کے لیے قرآن مجید آپ کو واضح ہدایات دیتا ہے۔ ایک مسلمان کا کام یہ ہے کہ اس کو اصل سرچشمہ ہدایت مانے' رہنمائی کے لیے اسی کی طرف رجوع کرے' ان احکامات و ہدایات اور ان اصولوں کو صحیح تسلیم کرے جو وہ دے رہا ہے' اور ان کے خلاف جو چیز بھی ہو' اس کو رد کر دے' خواہ وہ کہیں سے آ رہی ہو۔ اگر کسی شخص نے اس رمضان المبارک کے زمانے میں قرآن کو اس نظر سے دیکھا اور سمجھا ہے اور کوشش کی ہے کہ اس کی تعلیم و ہدایت کو زیادہ سے زیادہ اپنی سیرت و کردار میں جذب کرے' تو اس نے واقعی اس نعمت پر اللہ کا صحیح شکر ادا کیا ہے۔ وہ حقیقت میں اس پر مبارک باد کا مستحق ہے کہ رمضان المبارک کا ایک حق جو اس پر تھا' اسے اس نے ٹھیک ٹھیک ادا کر دیا۔

رمضان المبارک کے روزوں کا دوسرا مقصد جس کے لیے وہ آپ پر فرض کیے گئے ہیں' یہ ہے کہ آپ کے اندر تقویٰ پیدا ہو۔ آپ اگر روزے کی حقیقت پر غور کریں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ تقویٰ پیدا کرنے کے لیے اس سے زیادہ کارگر ذریعہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ تقویٰ کیا چیز ہے؟ تقویٰ یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچے اور اس کی فرمانبرداری اختیار کرے۔ روزہ مسلسل ایک مہینے تک آپ کو اسی چیز کی مشق کراتا ہے۔ جو چیزیں آپ کی زندگی میں عام طور پر حلال ہیں وہ بھی اللہ کے حکم سے روزے میں حرام ہو جاتی ہیں اور اس وقت تک حرام رہتی ہیں جب تک اللہ ہی کے حکم سے وہ حلال نہ ہو جائیں۔ پانی جیسی چیز

جو ہر حال میں حلال و طیب ہے، روزے میں جب اللہ حکم دیتا ہے کہ یہ اب تمہارے لیے حرام ہے تو آپ اس کا ایک قطرہ تک حلق سے نہیں اتار سکتے، خواہ پیاس سے آپ کا حلق چٹخنے ہی کیوں نہ لگے، البتہ جب اللہ پینے کی اجازت دے دیتا ہے، اس وقت آپ اس کی طرف اس طرح لپکتے ہیں گویا کسی نے آپ کو باندھ رکھا تھا اور آپ ابھی کھولے گئے ہیں۔ ایک مہینے تک روزانہ یہ باندھنے اور کھولنے کا عمل اسی لیے کیا جاتا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی پوری پوری بندگی و اطاعت کے لیے تیار ہو جائیں۔ جس جس چیز سے وہ آپ کو روکتا ہے اس سے رکنے کی، اور جس جس چیز کا وہ آپ کو حکم دیتا ہے اس کو بجا لانے کی آپ کو عادت ہو جائے۔ آپ اپنے نفس پر اتنا قابو پالیں کہ وہ اپنے بے جا مطالبات اللہ کے قانون کے خلاف آپ سے نہ منوا سکے۔ یہ غرض ہے جس کے لیے روزے آپ پر فرض کیے گئے ہیں۔

اگر کسی شخص نے رمضان کے زمانے میں روزے کی اس کیفیت کو اپنے اندر جذب کیا ہے تو وہ حقیقت میں مبارک باد کا مستحق ہے اور اس سے زیادہ مبارک باد کا مستحق وہ شخص ہے جو مہینے بھر کی اس تربیت کے بعد عید کی پہلی ساعت ہی میں اسے اپنے اندر سے اگل کر پھینک نہ دے بلکہ باقی گیارہ مہینے اس کے اثرات سے فائدہ اٹھاتا رہے۔ آپ غور کیجیے، اگر ایک شخص اچھی سے اچھی غذا کھائے جو انسان کے لیے نہایت قوت بخش ہو، مگر کھانے سے فارغ ہوتے ہی حلق میں انگلی ڈال کر اس کو فوراً اگل دے تو اس غذا کا کوئی فائدہ اسے حاصل نہ ہو گا، کیونکہ اس نے ہضم ہونے اور خون بنانے کا اسے کوئی موقع ہی نہ دیا۔ اس کے برعکس اگر ایک شخص غذا کھا کر اسے ہضم کرے اور اس سے خون بن کر اس کے جسم میں دوڑے، تو یہ کھانے کا اصل فائدہ ہے جو اس نے حاصل کیا۔ کم درجے کی مقوی غذا کھا کر اسے جزو بدن بنانا اس سے بہتر ہے کہ بہترین غذا کھانے کے بعد استفراغ کر دیا جائے۔ ایسا ہی معاملہ رمضان کے روزوں کا بھی ہے۔ ان کا حقیقی فائدہ آپ اسی طرح اٹھا سکتے ہیں کہ ایک مہینے تک جو اخلاقی تربیت ان روزوں نے آپ کو دی ہے، عید کے بعد آپ اس کو نکال کر اپنے اندر سے پھینک نہ دیں، بلکہ باقی گیارہ مہینے اس کے اثرات کو اپنی زندگی میں کام کرنے کا موقع دیں۔ یہ فائدہ اگر کسی شخص نے اس رمضان سے حاصل کر لیا تو وہ واقعی پوری پوری مبارک باد کا مستحق ہے کہ اس نے اللہ کی ایک بہت بڑی نعمت پالی۔

ذکر کا ایک نصاب

کسی نیکی کا آغاز کرنے اور اس کو ہمیشہ کرنے کا ارادہ کرنے کے لیے رمضان کا مہینہ ' اس کا آخری عشرہ ' اس کی طاق راتیں' اس کی **لیلة القدر** سے بہتر گھڑیاں اور کون سی ہو سکتی ہیں!

چھ اذکار کے اس نصاب میں' ہر ذکر کی تعلیم و تاکید اور اجر و فضیلت کئی صحیح احادیث میں بیان کی گئی ہے۔

ارادہ **کیجیے** کہ آیندہ ہمیشہ فجر اور مغرب کی نماز کے بعد' اور یہ مشکل ہو تو صرف فجر کے بعد ہی' اس کا اہتمام کریں گے۔

اس میں آپ کے دس منٹ بھی نہ لگیں گے۔

آپ اس کے خوشگوار اثرات اپنی زندگی میں محسوس کریں گے۔

(۱) لا الٰہ الا اللّٰہ' وحدہ لا شریک لہ ' لہ الملک ولہ الحمد' یحی ویمیت' وھو علٰی کل شئی قدیر (۱۰ مرتبہ)

(۲) سبحان اللّٰہ' والحمد للّٰہ' ولا الٰہ الا اللّٰہ' واللّٰہ اکبر' ولا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم (۱۰ مرتبہ)

(۳) سبحان اللّٰہ وبحمدہ' سبحان اللّٰہ العظیم (۱۰ مرتبہ)

(۴) اللھم صل وسلم علٰی عبدک ورسولک وحبیبک سیدنا محمدا النبی الامی وعلٰی الہ واصحابہ وبارک وسلم (۱۰ مرتبہ)

(۵) رب اغفر وارحم وانت خیر الراحمین (۱۰ مرتبہ)

(۶) اللھم اجرنی من النار (۷ مرتبہ)

(یہ نصاب قرب الٰہی از خرم مراد سے اخذ کیا گیا ہے) (خیر خواہ)

تصاویرِ قرآنی

دعوت دین کی تصویریں

سیّد قطب شہیدؒ

واقعہ یہ ہے کہ قرآن نے جن اغراض ومقاصد کو پیش نظر رکھا ہے ان میں سے ایک مقصد ایسا بھی ہے جو بظاہر تصویری اسلوب سے بعید نظر آتا ہے۔ یہ مقصد استدلال' بحث' مکالمے اور دعوت دین کا مقصد ہے۔ زیادہ مناسب بات یہ تھی کہ اس مقصد کو ادا کرتے ہوئے تصویری اسلوب کے بجائے فکر و استدلال کا اسلوب اختیار کیا جاتا' مگر قرآن نے اس مقصد کے لیے بھی تصویری اسلوب کو اختیار کیا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تصویری اسلوب کو قرآن نے دیگر اسالیب کے مقابلے میں ترجیح دی ہے۔ چنانچہ اب ہم جدول تصویری کی چند مثالیں بیان کریں گے تاکہ ہماری بات واضح ہو جائے۔

۱۔ پہلی تصویر یوں ہے: فطری مناظر میں سے ایک خاموش اور دائمی منظر سامنے ہے۔ قرآن نگاہ کو اس کی جانب کھینچتا ہے: دیکھو' یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی کیسی زبردست دلیل ہے:

الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۖ مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ۖ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ ۔ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ (الملک ۶۷: ۳-۴)

جس نے تہ بہ تہ سات آسمان بنائے۔ تم رحمٰن کی تخلیق میں کسی قسم کی بے ربطی نہ پاؤ گے۔ پھر پلٹ کر دیکھو' کہیں تمھیں کوئی خلل نظر آتا ہے؟ بار بار نگاہ دوڑاؤ۔ تمھاری نگاہ تھک کر نامراد پلٹ آئے گی۔

یہ انتہائی خوبصورتی کے ساتھ ترتیب دیا ہوا منظر ایسا ہے کہ نگاہ کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے' تاکہ آنکھ جو کچھ دیکھے نفس و حواس کی طرف منتقل کر دے' اور دل اس سے وہ تاثر لے لے جو مطلوب ہے: وہ اللہ کی قدرت پر ایمان لے آئے جس نے سات آسمان پیدا کیے۔ یہ منظر ہر وقت سامنے ہے' لیکن جب تم ان آیات کو پڑھتے ہو تو تمھیں ایسا لگتا ہے کہ گویا تم نے اسے پہلی مرتبہ دیکھا ہے۔ یہی قرآن کے طریقے کا اعجاز

ہے، جب بھی وہ کسی فطری منظر کی طرف توجہ مبذول کرتا ہے بلکہ زندگی کے تمام مناظر میں بھی ہر پہلو سے اس کا یہی اسلوب ہے۔

۲۔ یہ تصویر بھی ایک خاموش فطری منظر کی تصویر ہے، لیکن یہ زمین پر ہے آسمان میں نہیں۔

وَفِی الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّ جَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِیْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَیْرُ صِنْوَانٍ یُّسْقٰی بِمَآءٍ وَّاحِدٍ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰی بَعْضٍ فِی الْاُكُلِ (الرعد ۱۳: ۴)

اور دیکھو، زمین میں الگ الگ خطے پائے جاتے ہیں جو ایک دوسرے سے متصل واقع ہیں۔ انگور کے باغ ہیں، کھیتیاں ہیں، کھجور کے درخت ہیں جن میں سے کچھ اکہرے ہیں اور کچھ دہرے۔ سب کو ایک ہی پانی سیراب کرتا ہے، مگر مزے میں ہم کسی کو بہتر بنا دیتے ہیں اور کسی کو کم تر۔

یہ بھی ایک پرانا منظر ہے۔ یہ بار بار نگاہوں کے سامنے آتا ہے، مگر آنکھیں اور دل غفلت کے عالم میں اس پر سے گزر جاتے ہیں۔ لیکن یہاں یہ اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ لگتا ہے پہلے کبھی نہیں دیکھا گیا۔ جب آنکھ اچھی طرح دیکھ لیتی ہے، تو یہ نفس کو خاص وجدانی تاثرات سے بھر دیتا ہے۔ یہ مختلف باغ اور کھیت ہیں، ہر ایک میں الگ الگ پھل پھول اور پودے ہیں۔ یہی نہیں، بلکہ ایک ہی درخت اور پھل پھول طرح طرح کی شکلوں میں سامنے ہے، کہیں جوڑی جوڑی، کہیں تنہا تنہا۔ سب جڑوں میں ایک ہی پانی جا رہا ہے، لیکن ہر پھل کا مزہ الگ ہے۔ جس منظر کو بھی دیکھا جائے، اس کی بنیاد پورے منظر میں ہے: ایک فطری منظر کا مشاہدہ، جس کی طرف نظریں اٹھ جاتی ہیں، تاکہ آنکھوں کے بعد بصیرت بھی اس کو واضح اور صاف دیکھ لے۔

۳۔ یہ فطری مناظر میں سے وہ منظر ہے جو فضا میں حرکت کر رہا ہے۔ اس سین کے بعد ایک سین آتا ہے، ہر سین اپنی جگہ ایک منظر ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیْحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَیَبْسُطُهٗ فِی السَّمَآءِ كَیْفَ یَشَآءُ وَیَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَی الْوَدْقَ یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اِذَا هُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ۔ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ یُّنَزَّلَ عَلَیْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِیْنَ۔ فَانْظُرْ اِلٰٓی اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَیْفَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْیِ الْمَوْتٰی وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (الروم ۳۰: ۴۸-۵۰)

اللہ ہی ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے اور وہ بادل اٹھاتی ہیں، پھر وہ ان بادلوں کو آسمان میں پھیلاتا ہے جس طرح چاہتا ہے اور انھیں ٹکڑیوں میں تقسیم کرتا ہے، پھر تو دیکھتا ہے کہ بارش کے قطرے بادل میں سے ٹپکے چلے آتے ہیں۔ یہ بارش جب وہ اپنے بندوں میں سے جن پر چاہتا ہے برساتا ہے تو یکایک وہ خوش و خرم ہو جاتے ہیں حالانکہ اس کے نزول سے پہلے وہ مایوس ہو رہے تھے۔ دیکھو اللہ کی رحمت

کے اثرات کہ مردہ پڑی ہوئی زمین کو وہ کس طرح جلا اٹھاتا ہے' یقیناً وہ مردوں کو زندگی بخشنے والا ہے' اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اس سین میں کئی مناظر ہیں: ہوائیں چلتی ہیں' بادلوں کو اپنے کندھوں پر اٹھا کر اوپر لے جاتی ہیں' بادل فضا میں پھیل جاتے ہیں' ایک تہہ کے اوپر دوسری تہہ بن جاتی ہے' بادلوں کے اندر سے پانی نکلتا ہے' پانی برستا ہے' مایوس لوگوں میں خوشی کی لہر دوڑ جاتی ہے' زمین جو مردہ تھی' جی اٹھتی ہے۔ یہ مناظر جب یکے بعد دیگرے نگاہ وخیال کے سامنے رونما ہوتے ہیں' تو نفس انسانی کے اندر اتر جاتے ہیں اور وہ اس نتیجہ تک پہنچتا ہے کہ:

اِنَّ ذٰلِکَ لَمُحۡیِ الۡمَوۡتٰی' وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ۔ (الروم ۳۰:۵۰)

یقیناً وہ مردوں کو زندگی بخشنے والا ہے' اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

پس یہ تصویر آتی ہے' اور نہایت مناسب موقع پر آتی ہے۔

۴۔ اگر تیسرا منظر فضا میں تھا' تو یہ چوتھا منظر زمین پر ہے اور اس سے یکسر مختلف ہے۔

اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَکَہٗ یَنَابِیۡعَ فِی الۡاَرۡضِ ثُمَّ یُخۡرِجُ بِہٖ زَرۡعًا مُّخۡتَلِفًا اَلۡوَانُہٗ ثُمَّ یَھِیۡجُ فَتَرٰىہُ مُصۡفَرًّا ثُمَّ یَجۡعَلُہٗ حُطَامًا' اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَذِکۡرٰی لِاُولِی الۡاَلۡبَابِ۔ (الزمر ۳۹:۲۱)

کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے آسمان سے پانی برسایا' پھر اس کو سوتوں اور چشموں اور دریاؤں کی شکل میں زمین کے اندر جاری کیا' پھر اس پانی کے ذریعے سے وہ طرح طرح کی کھیتیاں نکالتا ہے جن کی قسمیں مختلف ہیں' پھر وہ کھیتیاں پک کر سوکھ جاتی ہیں' پھر تم دیکھتے ہو کہ وہ زرد پڑ گئیں' پھر آخر کار اللہ ان کو بھس بنا دیتا ہے۔ درحقیقت اس میں ایک سبق ہے عقل رکھنے والوں کے لیے۔

یہ زمین کے مناظر میں سے ایک منظر ہے۔ اس میں بھی متعدد سین پائے جاتے ہیں۔ اس منظر کو آہستہ آہستہ اور تفصیل کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے۔ ہر سین کو باقی رکھا جاتا ہے تاکہ آنکھ کو دیکھنے کے لیے کافی اور مناسب مدت ملے' اور نفس کو غور کرنے اور متاثر ہونے کے لیے کافی اور مناسب مہلت۔

دیکھیے: یہ آسمان سے پانی اتارا جا رہا ہے' اب یہ چشموں اور ندی نالوں میں بہہ رہا ہے' اب اس سے رنگا رنگ کی کھیتیاں پیدا ہو رہی ہیں' اب کھیتی لہلہانے لگتی ہے' اب وہ پک کر زرد پڑ جاتی ہے' اب خشک ہو کر چورا چورا ہو جاتی ہے' اس آیت میں "ثم" کا لفظ جہاں اور جس موقع پر آیا ہے' وہ آنکھ اور نفس انسانی دونوں کو "مہلت" سے ہمکنار کرتا چلا جاتا ہے تاکہ ایک سین کو لپیٹ دینے اور دوسرے سین کے نمودار ہونے سے پہلے آنکھ اور نفس دونوں پہلے سین کو اچھی طرح جانچ پرکھ لیں۔ کسی منظر کو ناظرین کے سامنے پیش کرنے کے لیے جس نظم و ترتیب کی ضرورت ہے' اس کا تعلق اسی فن کے ساتھ ہے۔

۵۔ فضا میں کچھ اور زندہ مناظر بھی موجود ہیں۔ یہ پرندے ہیں، اپنے پر پھیلائے، پاؤں بچھائے ہوا میں اڑ رہے ہیں۔ جب اترنے لگتے ہیں تو پروں کو سکیڑ لیتے ہیں:

اَوَلَمْ یَرَوْا اِلَی الطَّیْرِ فَوْقَھُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّ یَقْبِضْنَ، مَا یُمْسِکُھُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ، اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیْءٍۢ بَصِیْرٌ۔ (الملک ۶۷: ۱۹)

کیا یہ لوگ اپنے اوپر اڑنے والے پرندوں کو پر پھیلائے اور سکیڑتے نہیں دیکھتے؟ رحمٰن کے سوا کوئی نہیں جو انھیں تھامے ہوئے ہو؟ وہی ہر چیز کا نگہبان ہے۔

یہاں ایک تصویر میں دو منظر پیش کیے گئے ہیں۔ ایک، پرندوں کا پروں کو پھیلائے اور پاؤں بچھائے ہوئے اڑنے کا منظر۔ دوسرا، اسی طرح اترتے وقت پروں کو سمیٹ لینے کا منظر۔ یہ زندگی اور حرکت سے بھرپور تصویر ہے۔ لوگ اس کو ہمیشہ دیکھتے ہیں مگر پھر بھی غافل رہ جاتے ہیں۔ قرآن لوگوں کی نگاہیں اس جانب منعطف کراتا ہے کہ وہ اس منظر کو چشم بصیرت سے دیکھیں، شعور اور حس اس سے متاثر ہوں، وہ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی قدرت و رحمت تک پہنچ جائیں۔

۶۔ زمین میں بار بار نظر آنے والا ایک منظر اور بھی ہے، جس کی لوگ پرواہ نہیں کرتے اور آنکھیں بند کیے اس کے پاس سے گزر جاتے ہیں۔ حالانکہ اگر اس کی مخفی حرکت کے ساتھ چلا جاتا اور اس پر غور کیا جاتا، تو خیال و نگاہ کے ذریعے انسان کے نفس پر یہ تصویر چھا جاتی اور اس کے وجدان پر بڑا خوشگوار اثر پڑتا۔ اس سے غور و فکر کے نت نئے رنگ اس کے سامنے آتے۔ یہ مجسم اشیا کے "سائے" کا منظر ہے، جو بظاہر ساکن نظر آتا ہے مگر در حقیقت وہ بڑے لطیف انداز سے آہستہ آہستہ محو حرکت رہتا ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّکَ کَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ، وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَہٗ سَاکِنًا، ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَیْہِ دَلِیْلًا۔ ثُمَّ قَبَضْنٰہُ اِلَیْنَا قَبْضًا یَّسِیْرًا۔ (الفرقان ۲۵: ۴۵۔ ۴۶)

تم نے دیکھا نہیں کہ تمھارا رب کس طرح سایہ پھیلا دیتا ہے؟ اگر وہ چاہتا تو اسے دائمی سایہ بنا دیتا۔ ہم نے سورج کو اس پر دلیل بنایا، پھر (جیسے جیسے سورج اٹھتا جاتا ہے) ہم اس سائے کو رفتہ رفتہ اپنی طرف سمیٹتے چلے جاتے ہیں۔

اس منظر میں ایک فطری حسن ہے، جو قوت متخیلہ کو از خود جولانی پر آمادہ کر دیتا ہے اور قلوب و اذہان اس کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں۔

دنیا میں کتنے ہی مشاہد و مناظر ایسے ہیں جو ہر لمحہ رونما ہوتے رہتے ہیں۔ طبیعت ان سے مانوس ہوتی ہے۔ مگر جب ان کو بنظر غائر دیکھا جاتا ہے تو بالکل جدید نظر آتے ہیں۔ یہ اسی وقت ہوتا ہے جب کسی منظر کو چشم بصیرت اور زندہ و بیدار نگاہ و دل کے ساتھ دیکھا جائے۔

۷۔ دنیا میں اور بہت سے مناظر کو دیکھا جاتا ہے۔ مگر انسانی احساسات پر جو مناظر سب سے زیادہ اثر انداز ہوتے ہیں وہ مٹے ہوئے دیار و بلاد کے آثار و کھنڈرات اور فنا شدہ زندگی اور گزرتے ہوئے لوگوں کی وہ تصویریں ہیں جو خیال کے ذریعے مجسم ہو جاتی ہیں لے ان کو ظاہر میں دیکھتی ہے، اور انسانی ضمیر باطن میں۔ قرآن انسان کی نگاہ کو ان کھنڈرات کی جانب منعطف کراتا ہے، پھر اس کے خیال کو وہ فنا شدہ زندگی اور نیست و نابود ہونے والے لوگوں کی طرف موڑ دیتا ہے:

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (الروم ۳۰:۹)

اور کیا یہ لوگ کبھی زمین میں چلے پھرے نہیں ہیں کہ انھیں ان لوگوں کا انجام نظر آتا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں؟ وہ ان سے زیادہ طاقت رکھتے تھے، انھوں نے زمین کو خوب ادھیڑا تھا اور اسے اتنا آباد کیا تھا جتنا انھوں نے نہیں کیا ہے۔ ان کے پاس ان کے رسول روشن نشانیاں لے کر آئے۔ پھر اللہ ان پر ظلم کرنے والا نہ تھا، مگر وہ خود ہی اپنے اوپر ظلم کر رہے تھے۔

حرفِ آخر

ان تمام مثالوں سے یہ بات عیاں ہے کہ قرآن نے اپنے انداز و اسلوب میں مدعا بیان کرنے کے لیے منظر نگاری اور تصویر کشی کے اسلوب کو اپنایا ہے۔ تصویر کشی قرآنی تعبیر و بیان کے لیے اصل و اساس کا حکم رکھتی ہے۔ یہ اسلوب تمام غایات و مقاصد کا جامع ہے۔ یہ قرآن کی ایسی لازمی خصوصیت ہے جس کو قرآن پر تدبر کرنے والا اس کے ایک ایک جز میں موجود پائے گا۔

سید قطب، التصویر الفنی فی القرآن، ترجمہ وتدوین: خرم مراد، (ماخوذ از غلام احمد حریری: قرآن کے فنی محاسن)۔

بیاد خرم مراد

آیئے چند گھڑیاں مل کر روئیں۔

اس جامع کمالات ہستی' قوم کے جینیس رہنما' عبقری وقت' نا.غہ روزگار کو جیسے دیدہ ور مشکل سے پیدا ہوتے ہیں۔

جو بے مثال سول انجینئر تھا لیکن اس نے گارے اور چونے کے گھروندے بنانے کے بجا۔ ئ روحانیت و انسانیت کی تعمیر میں عمر کھپائی۔

جس نے سنگ و خشت کے پلازے اور ٹاور بنانے کے بجائے علم و ہدایت کے مینار ہائے نور بنائے۔

جس کا ظاہر و باطن اور خلوت و جلوت ایک جیسا تھا

جس کا گھرانہ اہل خانہ کی تربیت کے لحاظ سے این خانہ ہمہ آفتاب است کی سچی مثال ہے۔

جس کی باتوں میں گلوں کی خوشبو تھی'

جس کی مسکراہٹ سے پھول بکھرتے تھے'

جس کی نصیحت سے رونگٹے کھڑے ہوتے تھے'

جس کے قلم کی سیاہی خون شہدا کی سرخی لیے قوم کے تن خستہ کو حیات تازہ بخشتی رہی'

جس نے قوم کے شاہینوں کو نئے بال و پر دیے۔

جو سید مودودی کی فکر کا وارث' مرجع خلائق اور مرشد عام تھا۔

جس کی ایک ایک تحریر' ایک ایک تقریر اور علمی جواہرپارہ ابن تیمیہ' غزالی' شاہ ولی اللہ' سید مودودی اور حسن البناء کی طرح مقبول بارگاہ الٰہی اور خلق کے لیے نفع بخش ہونے کی مثال تھا۔

جو حسن خلق' تواضع و انکسار' فقر و غنا اور عزت نفس کا خوشنما گلدستہ تھا۔

جس نے اتباع سلف اور ذکر و فکر کی لگن پیدا کی اور فکر و اجتہاد کی لو روشن کی۔

جس نے اپنی تصانیف' تقاریر اور لاتعداد عقیدت مند پیروکاروں کی حیثیت میں بے پناہ صدقہ جاریہ چھوڑا۔

(بندہ خدا)

انسانی اعضا کی پیوند کاری

مولانا گوہر رحمٰن

"اعضا کی پیوند کاری" پر ایک مذاکرہ مارچ ۹۵ کے شمارے میں شائع کیا گیا تھا جس میں بھارت کے ممتاز علما شریک تھے۔ اب ہم مولانا گوہر رحمٰن کی ایک تحریر پیش کر رہے ہیں جو انھوں نے درج ذیل سوال کے جواب میں لکھی ہے۔ (مدیر)

مثلہ کی ممانعت سے انسانی اعضا کی پیوند کاری کی ممانعت ثابت کرنا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ مثلہ تو دشمنی میں انتقام کے لیے اعضا کے کاٹنے کو کہا جاتا ہے اور وہ بھی مرنے والے یا اس کے وارثوں کی مرضی کے خلاف۔ اور پیوند کاری مرنے والے اور اس کے ورثا کی مرضی سے انسانی جانوں کو بچانے کے لیے کی جاتی ہے۔ مصنوعی اعضا اور جانوروں کے اعضا کے استعمال کی کوشش تو جاری ہے لیکن ہر جگہ فائدہ مند ثابت نہیں ہوئی ہے۔ جب تک یہ کامیاب نہ ہوں کیا تب تک اعضا کی پیوند کاری کی اجازت ہو سکتی ہے؟ معلوم ہوا ہے کہ سعودی عرب کے علما نے سرکاری طور پر اعضا کی پیوند کاری جائز قرار دے دی ہے خصوصاً گردے کی پیوند کاری۔

آپ کی یہ بات صحیح ہے کہ مثلہ انتقام اور تحقیر و تذلیل کے لیے اعضا کاٹنے اور شکل و صورت بگاڑنے کو کہتے ہیں۔ الصحاح میں علامہ جوھریؒ لکھتے ہیں: "مثل بہ کے معنی ہیں نکل (یعنی اس نے اس کو شدید اور عبرت ناک سزا دی ہے) مثلہ اسم ہے (جس کے معنی ہیں اعضا کا کاٹنا اور شکل بگاڑنا) اور مثلہ عذاب کو کہتے ہیں جس کی جمع مثلات آتی ہے۔

مَثُلات عقوبات کے معنوں میں قرآن کریم میں بھی آیا ہے: وَقَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ (الرعد ۱۳:۶) "اور گزر چکی ہیں ان سے پہلے مثالیں عذاب کی"۔ ابن منظور افریقی اور مجد الدین فیروز آبادی نے بھی اسی طرح لکھا ہے کہ مثل مثلۃ کے معنی ہیں "نکل" یعنی شدید سزا دینا۔ جار اللہ زمخشریؒ اور ابن الاثیر جزریؒ

دونوں نے مثلاً اور مثلۃ کے معنی یہی بیان کیے ہیں: شکل و صورت بگاڑنے کے لیے اعضا کاٹنا۔

اس لغوی تحقیق سے معلوم ہوا کہ مثلہ یا تو بدلہ لینے کے لیے کیا جاتا ہے یا محض غصہ نکالنے اور دل ٹھنڈا کرنے کے لیے کیا جاتا ہے۔ اس سے رسول اللہؐ نے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے۔ آپؐ مجاہدین کو رخصت کرتے وقت ہدایت فرمایا کرتے تھے کہ دشمن کی "لاشوں کا مثلہ نہ کیا کرو"۔ لاشوں کی بے حرمتی کرنا، ان کی شکل بگاڑنا، ناک، کان، ہاتھ پاؤں کاٹ کر اور چیر پھاڑ کر کے غصہ نکالنا اور دل ٹھنڈا کرنا اسلامی اور انسانی اخلاق، دونوں کے خلاف ہے۔

اس لغوی بحث سے ثابت ہوتا ہے کہ دوسرے انسان کی زندگی بچانے کے لیے پیوند کاری کی نیت سے عضو کاٹنا مثلہ نہیں ہے۔ لیکن یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ اعضا کاٹنا اور چیر پھاڑ کرنا بہرحال بے حرمتی اور تذلیل ہے۔ اگر اس میں میت کی بے حرمتی اور تذلیل و توہین نہ ہوتی تو لوگ دل ٹھنڈا کرنے اور غصہ نکالنے کے لیے مثلہ نہ کرتے۔ اس لیے اس کی اجازت "ضرورت شدیدہ" اور "مصلحت شرعیہ" کے بغیر نہیں دی جا سکتی۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب، صدر مدرس دارالعلوم سبیل السلام حیدر آباد دکن نے لکھا ہے کہ اہانت و اکرام عرفی چیزیں ہیں اور ہمارے زمانے میں اعضا کی پیوند کاری کو توہین نہیں سمجھا جاتا (ترجمان القرآن، مارچ ۱۹۹۵، ص ۳۴)۔

یہ بات درست ہے کہ جن احکام کا مدار عرف و عادت پر ہو اور نصوص خاموش ہوں تو وہ عرف کے بدلنے سے بدل جاتے ہیں۔ حافظ ابن قیم نے اعلام الموقعین میں اس کی بہت سی مثالیں پیش کی ہیں۔ الموافقات کے حوالے سے سر کھولنے اور نہ کھولنے کی جو مثال انھوں نے پیش کی ہے وہ بھی صحیح ہے، اس لیے کہ شریعت میں سر کھولنا بھی جائز ہے اور ڈھانپنا بھی جائز ہے، لہٰذا اس بارے میں عرف و عادت کو مدار حکم بنایا جا سکتا ہے۔

لیکن انسان کے اعضا کاٹنے کا اہانت ہونا حدیث سے ثابت ہے۔ صحیح مسلم اور سنن میں مثلہ کرنے سے ممانعت کی وجہ یہی ہے کہ یہ موجب اہانت اور منافی تکریم ہے۔ اگر یہ فی نفسہ اہانت نہ ہوتی تو شارعؑ اس کی ممانعت نہ کرتے بلکہ اس بارے میں سکوت فرماتے اور یہ معاملہ پھر مصالح مرسلہ اور عرفیات میں شامل ہو جاتا۔

اسی طرح میت کی ہڈی توڑنے کی ممانعت بھی حدیث میں آئی ہے اور یہ بھی منصوص ہے، عرفی چیز نہیں ہے۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: "مردہ انسان کی ہڈی توڑنا ایسا ہی ہے جیسا کہ زندہ کی ہڈی توڑنا"۔

اس حدیث کی سند میں سعد بن سعید بن عمرو انصاری المدنی المتوفی ۱۴۱ھ آئے ہیں جن کو بعض ائمہ نے ضعیف کہا ہے، لیکن ابن سعدؒ، ابن عدیؒ، ابن معینؒ اور ابن حبانؒ نے انھیں ثقہ اور قابل قبول قرار دیا ہے، اور مسلمؒ، ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، نسائیؒ اور ابن ماجہؒ کے رواۃ میں وہ شامل ہیں۔ جابر بن عبداللہؓ نے اس حدیث کا جو شان ورود بیان کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قبر بنانے والا کسی تذلیل و توہین کی غرض سے ہڈی کو نہیں توڑ رہا تھا بلکہ ویسے ہی توڑنا چاہتا تھا تاکہ دوسرے مردے کی قبر میں یہ باقی نہ رہے۔ مگر رسول اللہؐ نے اسے کسی کونے میں دفن کرنے کا حکم دیا اور توڑنے کی اجازت نہ دی۔ معلوم ہوا کہ میت کے اعضا توڑنا یا کاٹنا بجائے خود اہانت ہے خواہ توہین کی نیت ہو یا نہ ہو۔

اس تفصیل سے میرا مقصد یہ ہے کہ اعضا کے کاٹنے کا اہانت ہونا منصوص ہے یہ کوئی عرفی چیز نہیں ہے کہ عرف کے بدلنے سے حکم کو تبدیل کر دیا جائے۔ باقی رہی یہ بات کہ ضرورت و مصلحت کی بنا پر یہ اہانت قابل برداشت ہے یا نہیں؟ اس کے بارے میں اہل علم اور اہل اجتہاد کوئی رائے قائم کر سکتے ہیں۔ میں بھی اس بارے میں اپنی طالب علمانہ رائے کا اظہار اپنے مقام پر کروں گا۔

اعضا کے قطع و برید کی ممانعت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ انسانی جسم کے اجزا کا استعمال کرنا بجائے خود اس کی توہین و تذلیل ہے۔ اگر اس کی اجازت دے دی جائے تو انسانی اعضا اموال تجارت بن جائیں گے اس لیے کہ جن چیزوں کا استعمال جائز ہو، ان کی خرید و فروخت بھی جائز ہوتی ہے۔

انسانی بالوں کا استعمال اسی لیے منع کیا گیا ہے کہ یہ انسانی کرامت کے منافی ہے ورنہ فی نفسہ زینت و آرائش ممنوع نہیں ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ انصار کی ایک عورت نے اپنی بیٹی کی شادی کی تھی لیکن اس کے سر کے بال کسی وجہ سے گر گئے تھے۔ وہ عورت نبی کریمؐ کے پاس آئی اور کہا کہ میری بیٹی کا شوہر مجھے کہتا ہے کہ میں اس کے بالوں میں دوسرے بالوں کا جوڑ لگا دوں۔ آپؐ نے فرمایا: لا انہ قد لعن الموصلات، نہیں! بالوں کے ساتھ بال جوڑنے والیوں پر تو لعنت کی گئی ہے۔ (بخاری)

فقہا نے اس کی ممانعت اور موجب لعنت ہونے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ یہ عمل انسانی بالوں کی توہین ہے اور انسانی کرامت کے منافی ہے۔ ورنہ اون وغیرہ کا جوڑنا جائز ہے۔ الھدایہ میں یہی وجہ بیان کی گئی ہے: "انسان کے بالوں کی خرید و فروخت جائز نہیں ہے اور ان سے نفع اٹھانا بھی جائز نہیں ہے۔ اس لیے کہ انسان مکرم و محترم ہے، استعمال کی چیز نہیں ہے۔ پس اس کے اجزا میں سے کسی جزو کو حقیر اور مستعمل چیز بنانا جائز نہیں ہے۔ مگر اون سے بنائی ہوئی موباف کا استعمال جائز ہے تاکہ عورتوں کے سر کے بالوں اور گیسوؤں میں اضافہ کیا جائے" (اس لیے کہ یہ انسان کے اجزا نہیں ہیں)۔ درج بالا عبارت کا مفہوم فقہ کی عام کتابوں میں موجود ہے۔

یہی حکم عورت کے دودھ کا ہے۔ رضاعت کی مدت میں تو یہ بچے کی فطری غذا ہے اور حلال طیب ہے، لیکن رضاعت کے بعد یہ دودھ پینا اور پلانا حلال نہیں ہے۔ علامہ علاء الدین حصکفیؒ درمختار میں لکھتے ہیں: "مدت (دو سال یا زیادہ سے زیادہ اڑھائی سال) کے بعد دودھ پلانا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ یہ انسان کے جسم کا جزو ہے اور انسان کے اجزا سے بغیر ضرورت کے نفع اٹھانا حرام ہے"۔

دودھ کی حرمت کی وجہ نجاست نہیں ہے۔ مگر انسانی خون اور پیشاب کا استعمال اس لیے حرام ہے کہ یہ دونوں نجس بھی ہیں، اور انسان کے جسم کا جزو بھی ہیں البتہ اضطراری حالت میں بطور دوا خون اور بول کا استعمال جائز ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ: "مریض کے لیے دوا کے طور پر خون اور پیشاب پینا جائز ہے بشرطیکہ مسلمان ڈاکٹر نے اسے کہا ہو کہ اس کا علاج یہی ہے اور اس کا متبادل حلال علاج میسر نہیں ہے۔ اگر ڈاکٹر نے یہ کہا ہو کہ اس کے ذریعے تم جلدی شفایاب ہو جاؤ گے تو ایسی صورت میں دو قول ہیں"۔

اسی طرح ضرورت کے وقت علاج کے طور پر عورت کا دودھ استعمال کرنا بھی جائز ہے۔ ابن الہمامؒ فتح القدیر میں لکھتے ہیں: طبیب ثابت کرتے ہیں کہ لڑکی والی عورت کا دودھ آنکھ کے درد کے لیے مفید ہے۔ اس بارے میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ جائز نہیں ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اگر یہ معلوم ہو جائے (ظن غالب سے) کہ اس دودھ کے استعمال سے آشوب چشم چلا جائے گا تو جائز ہے"۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے: "اس میں کوئی باک نہیں ہے کہ دوا کے طور پر عورت کا دودھ کسی شخص کی ناک میں ڈالا جائے یا وہ اسے پی لے"۔

انسانی ہڈی کی پیوند کاری کو بھی اسی وجہ سے فقہا نے ممنوع قرار دیا ہے کہ یہ عضو انسانی ہے۔ "فقہا نے کہا ہے کہ انسان اور خنزیر کی ہڈی سے علاج مکروہ ہے اس لیے کہ اس سے نفع اٹھانا حرام ہے"۔ (فتاویٰ قاضی خان)

امام شمس الائمہ سرخسیؒ فرماتے ہیں: "انسان اپنی موت کے بعد بھی واجب الاحترام ہے جیسا کہ وہ اپنی زندگی میں واجب الاحترام تھا۔ پس جس طرح کہ زندہ انسان کے کسی جزو کو بطور علاج استعمال کرنا اس کے اکرام و احترام کی وجہ سے حرام ہے اسی طرح مردہ انسان کی ہڈی سے علاج کرنا بھی حرام ہے"۔

مذکورہ احادیث اور فقہا کے اقوال سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ انسان کے اعضا و اجزا کی چیر پھاڑ بھی اہانت ہے اور ان کا استعمال بھی اہانت ہے اور منافی اکرام و احترام ہے۔ خواہ اہانت کی نیت ہو یا نہ ہو اور خواہ عرف عام میں اسے اہانت سمجھا جا رہا ہو یا ایثار اور قربانی سمجھا جا رہا ہو۔ البتہ اس بارے میں غور و فکر اور اجتہاد و تحقیق کی جا سکتی ہے اور کی جا رہی ہے کہ اضطراری حالت میں قاعدہ "اھون البلیتین" کے تحت اعضا کی پیوند کاری کی جا سکتی ہے یا نہیں؟

اس بارے میں اپنی تحقیق پیش کرنے سے پہلے ایک سوال کا جواب دینا ضروری ہے تاکہ مسئلے کی پوری طرح تنقیح ہو جائے اور کوئی غلط مبحث باقی نہ رہے۔ وہ یہ کہ کیا اعضا کا عطیہ دینا یا اس کی وصیت کرنا ایثار کے مفہوم میں شامل ہے؟ جس کی قرآن و سنت میں بڑی فضیلت بیان ہوئی ہے اور جو صحابہ کرامؓ کی امتیازی صفت تھی۔

اس سوال کا جواب ایک دوسرے سوال کے جواب پر موقوف ہے اور وہ یہ ہے کہ کیا انسان اپنے جسم کا مالک ہے؟ اور کیا اسے اپنے جسم اور مال میں تصرف کرنے کا کلی اور غیر مشروط اختیار حاصل ہے؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ انسان کے جسم اور مال کا مالک اللہ ہے۔ انسان کے مالک ہونے کے معنی صرف یہ ہیں کہ اسے شرعی احکام کی حدود کے اندر رہتے ہوئے اپنے جسم کے اعضا و اموال اور اشیا و استعمال سے نفع اٹھانے کا حق حاصل ہے۔

ایثار کے معنی ہیں اپنی ضرورت اور حاجت پر دوسروں کو ترجیح دینا۔ قرآن کریم میں یہ لفظ انصار کے بارے میں آیا ہے جنھوں نے پیش کش کی تھی کہ ہمارے باغات کو ہمارے اور ہمارے مہاجر بھائیوں کے درمیان تقسیم کر دیا جائے۔ سورۃ الحشر (۹:۵۹) میں یُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِہِمْ وَلَوْ کَانَ بِہِمْ خَصَاصَۃٌ کے سیاق و سباق اور شان نزول دونوں سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر ایثار سے مراد مالی ایثار ہے کہ خود بھوکے پیاسے رہ کر بھی مہاجرین کو کھلاتے اور پلاتے تھے۔ اس ایثار کی مالک حقیقی نے نہ صرف یہ کہ اجازت دی ہے بلکہ اس کی بہت بڑی فضیلت بیان کی ہے۔ لیکن یہ تو کسی آیت یا حدیث میں یا آثار صحابہؓ و تابعینؒ میں نہیں آیا کہ مریض کے جسم میں لگانے کے لیے اپنے جسم کا کوئی عضو کاٹ کر عطیہ دیا جائے یا اس کی وصیت کی جائے تو یہ بھی ایثار ہے اور اس کی بھی فضیلت ہے۔ مالک حقیقی کی ہدایت تو یہ ہے کہ اپنے جسم کے اعضا و اجزا کا تحفظ کیا جائے۔ اسی لیے خودکشی بھی حرام ہے اور اپنے اعضا کو کاٹنا اور زخمی کرنا یا ان کی صلاحیتوں کو ضائع کرنا بھی حرام ہے۔ البتہ اپنی جان کو غلبہ دین کے لیے قربان کرنا شہادت فی سبیل اللہ ہے اور بہت بڑی سعادت ہے جس کی آرزو سنت رسولؐ ہے۔ اسی طرح دعوت دین اور اعلاء دین کے لیے اپنی پوری صلاحیتوں اور قوتوں کو استعمال کرنا بھی جہاد ہے۔ یہی حال خدمت خلق کا ہے کہ اپنی جسمانی اور علمی و فکری قوت و صلاحیت کو اللہ کی مخلوق کی خدمت کرنے کے لیے روبعمل لانا' مظلوم کو ظلم سے بچانا اور ڈوبنے اور مرنے والے کو بچانے کے لیے اپنی جسمانی اور مالی قوت کو استعمال کرنا عبادت ہے اور تقاضاے ایمان ہے۔

بہرحال ایثار اور ہمدردی یا خدمتِ خلق سے متعلق آیات و احادیث اور آثار صحابہؓ و تابعینؒ کو انسانی اعضا کی پیوند کاری کے جواز کی دلیل بنانا صحیح نہیں ہے بلکہ یہ ایک خالص اجتہادی مسئلہ ہے۔

بعض لوگ درج ذیل واقعے کو اعضا کے عطیہ کے جواز کے لیے بطور نظیر پیش کرتے ہیں۔ اس لیے اس کی وضاحت بھی ضروری ہے۔

"جنگ یرموک میں حارث بن ہشامؓ عکرمہؓ بن ابی جہل اور عیاشؓ بن ربیعہ زخمی ہو کر گر گئے تھے۔ حارثؓ نے پانی مانگا۔ جب پانی لایا گیا تو عکرمہ نے پانی کی طرف دیکھا۔ حارثؓ نے کہا پہلے اس کو دے دو جب عکرمہؓ نے پانی لیا تو عیاشؓ نے اس کی طرف دیکھا۔ عکرمہؓ نے کہا کہ پہلے اسے پلا دو لیکن پانی عیاشؓ کے پاس ابھی پہنچا نہیں تھا کہ وہ مرگیا اور جب یہ پانی دوسروں کے پاس واپس لایا گیا تو وہ دونوں بھی مر گئے تھے"۔ (المستدرک الحاکم)۔

اس قصے میں اس ایثار کا ذکر ہے جو نصوص سے ثابت ہے' یعنی خود بھوکا پیاسا رہ کر دوسروں کو کھلانا اور پلانا۔ اس قصے کا آخر اپنے جسم کا کوئی عضو کاٹ کر عطیہ دینے سے کیا تعلق ہے؟ اول' یہ بات یقینی نہیں تھی کہ پانی پینے سے ان کی زندگی بچ سکتی تھی۔ دوم' پانی دستیاب بھی تھا لیکن ان میں سے ہر ایک دوسرے کی زندگی بچانے کے لیے خود پیاس کی وجہ سے مرگیا۔ سوم' ان کی موت کی ظاہری وجہ تو جہاد میں زخمی ہونا تھا' البتہ پانی پینے سے ان کی پیاس میں کمی آسکتی تھی اور کچھ آرام مل سکتا تھا لیکن انھوں نے اپنے آرام پر دوسروں کے آرام کو ترجیح دی جو بہت بڑی نیکی تھی۔ چہارم' پانی ان کے جسم کا کوئی جزو تو نہیں تھا کہ انھوں نے کاٹ کر دوسرے کو دے دیا کہ اسے اعضا کے عطیہ کی نظیر بنایا جاسکے۔ پنجم' اس کے علاوہ' یہ روایت صحیح بھی نہیں ہے۔ ایک تو اس کی سند متصل نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس قصے کے راوی حبیب بن ابی ثابتؒ ہیں جو جنگ یرموک میں شریک نہیں تھے۔ اس لیے بھی کہ ان کا انتقال ۱۱۹ھ میں ہوا تھا اور یرموک کا معرکہ ۵ رجب ۱۵ھ میں ہوا تھا۔ ابن قتیبہ دینوریؒ (متوفی ۲۷۶ھ) نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

"میرے نزدیک یہ روایت من گھڑت ہے اس لیے کہ اہل سیرت نے ذکر کیا ہے کہ عکرمہؓ بن ابی جہل جنگ اجنادین (۱۳ھ) میں شہید ہوئے تھے' عیاشؓ بن ابی ربیعہ کا انتقال مکہ میں ہوا تھا اور حارث بن ہشامؓ کی موت طاعون عمواس (۱۸ھ) میں واقع ہوئی تھی" (عیون الاخبار)۔ ابن سعدؒ نے بھی لکھا ہے کہ حارثؓ ۱۸ھ کے طاعون عمواس میں فوت ہوئے تھے اور عکرمہؓ ۱۳ھ میں جنگ اجنادین میں شہید ہوئے تھے (طبقات ابن سعدؒ)۔

اس قسم کے واقعات اور بھی نقل ہوئے ہیں کہ بعض اہل ایثار نے خود بھوک اور پیاس برداشت کی ہے مگر اپنے ساتھیوں کو کھلایا پلایا اور پہنایا ہے۔ لیکن ایسی کوئی مثال موجود نہیں ہے کہ کسی نے دوسرے کو موت سے بچانے کے لیے اپنے جسم کا گوشت کاٹ کر کھلایا ہو یا اپنے جسم کی کوئی ہڈی یا دوسرا عضو کاٹ کر پیوند کاری کے لیے دیا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ فقہا نے اس قسم کے ایثار کو ممنوع قرار دیا ہے (قاضیخان برحاش

عالمگیری)۔

"مضطر یعنی بھوک سے مرنے والے کو جب کھانے کے لیے مردار نہ ملے اور اس کی موت کا خطرہ ہو اور کوئی شخص اسے کہے کہ میرا ہاتھ یا میرے جسم کا ایک ٹکڑا کاٹ کر کھالو تو ایسا کرنا جائز نہیں ہے اور اس کی اجازت دینا بھی جائز نہیں ہے جیسا کہ بھوک سے نڈھال شخص کے لیے خود اپنے جسم کا ٹکڑا کاٹ کر کھانا جائز نہیں ہے" (فتاویٰ قاضیخاں)۔

اپنے جسم کا گوشت کاٹ کر کھانے کے بارے میں بعض شافعیہ کی رائے یہ ہے کہ اگر اپنے بدن کا کوئی ٹکڑا کاٹنے سے اس کی موت کا خطرہ نہ ہو اور ظن غالب یہ ہو کہ زخم مندمل ہو جائے گا تو اس صورت میں کاٹ کر زندگی بچانے کے لیے کھانا جائز ہے۔ لیکن اپنے جسم کا ٹکڑا کاٹ کر بھوک سے مرنے والے کو کھلانا بالاجماع ناجائز ہے۔

"بغیر کسی اختلاف کے یہ جائز نہیں ہے کہ کوئی شخص اپنے لیے کسی معصوم (جس کا قتل حرام ہو) کے جسم کا ٹکڑا کاٹے اور کسی دوسرے شخص کے لیے بھی بغیر کسی اختلاف کے بالاتفاق یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے اعضا میں سے کوئی عضو کاٹ کر بھوک سے مرنے والے کو کھانے کے لیے دے۔ امام الحرمینؒ اور دوسرے اصحاب نے اس کی تصریح کی ہے" (المجموع شرح المھذب للنوویؒ)۔

قواعد شرعیہ اور اعضا کی پیوند کاری

انسانی اعضا کی قطع و برید اور استعمال کے جواز پر کوئی "نص" موجود نہیں ہے بلکہ اس کے عدم جواز کی نصوص موجود ہیں۔ اسی طرح انسانی اعضا کا عطیہ دینے کے جواز و فضیلت پر کوئی شرعی نص موجود نہیں ہے، اور ایسے عطیے کو کھانے، پینے کی چیزوں کے عطیے پر یا انسانی جسم کی قوت و صلاحیت کے استعمال پر قیاس کرنا نصوص کے مقابلے میں قیاس کرنا ہے جو جائز نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ حرام کو حلال پر اور مکروہ کو مستحب پر تو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

اب اس مسئلے میں تحقیق و اجتہاد کا دارومدار صرف فقہی قواعد پر ہے جو نصوص سے مستنبط ہیں۔ ہمارے نزدیک اس زیر غور مسئلے پر تین قواعد کا انطباق ہو سکتا ہے۔

۱۔ الضرورات تبیح المحظورات "ضرورتیں ناجائز چیزوں کو جائز بنا دیتی ہیں"۔

"ضرورت" سے مراد مطلق حاجت اور تکلیف نہیں ہے بلکہ اس سے مراد اضطرار اور بے بسی کی وہ حالت ہے کہ اگر انسان نے کسی ممنوع چیز کو استعمال نہ کیا تو وہ مر جائے گا یا قریب الموت ہو جائے گا۔ سیوطیؒ اور ابن نجیمؒ دونوں نے اپنی "اشباہ و نظائر" میں ضرورت کی یہی تعریف کی ہے، اور فقہ کی دوسری کتابوں میں بھی اسی طرح کی تعریف کی گئی ہے۔ اور "حاجت" اس حالت کو کہا جاتا ہے جس میں انسان کے

ی

مرنے یا قریب الموت ہونے کا خطرہ تو نہ ہو لیکن وہ تکلیف اور پریشانی میں مبتلا ہو۔ اردو زبان میں تو "ضرورت" اور "حاجت" ہم معنی الفاظ کے طور پر استعمال ہوتے ہیں لیکن شرعی اور فقہی زبان میں دونوں کے درمیان فرق ہے جسے اچھی طرح ذہن نشین کرلینا چاہیے، اس لیے کہ میری اس تحریر میں "ضرورت" کا لفظ جہاں بھی آئے تو اس سے مراد اضطرار کی درج بالا حالت ہو گی۔

یہ قاعدہ قرآن کریم کی ان آیات سے ماخوذ ہے جن میں بھوک سے نڈھال شخص (مضطر) کو مردار اور دوسرے محرمات کھانے کی اجازت دی گئی ہے بشرطیکہ وہ حقیقی معنوں میں مضطر ہو اور ضرورت سے زائد استعمال نہ کرتا ہو۔ (البقرہ ۲:۱۷۳، المائدہ ۵:۳، الانعام ۶:۱۴۵، النحل ۱۶:۱۱۵)۔ اسی طرح یہ قاعدہ اس آیت سے بھی ماخوذ ہے جس میں اپنے آپ کو موت سے بچانے کے لیے کلمہ کفر کہنے کی رخصت دی گئی ہے بشرطیکہ دل میں ایمان موجود ہو۔ اگرچہ دوسرے دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ عزیمت یہی ہے کہ شہادت کی سعادت حاصل کرلے مگر کلمہ کفر نہ کہے بلکہ کلمہ حق کہنے کا جہاد افضل کرتا رہے۔(النحل ۱۶:۱۰۶)۔

فقہا اسلام نے اس قاعدے کا انطباق مختلف جزئیات پر کیا ہے لیکن میت کے اعضا کی پیوند کاری کی مثال کسی نے پیش نہیں کی اس لیے کہ یہ عمل اس زمانے میں رائج نہیں تھا۔ البتہ اس کی ایک نظیر کا ذکر فقہ کی کتابوں میں ملتا ہے۔ اگر کوئی شخص بھوک سے مر رہا ہو اور اس کے پاس انسانی لاش کے علاوہ دوسری کوئی چیز کھانے کے لیے موجود نہ ہو تو کیا جان بچانے کے لیے بقدر ضرورت اس کا گوشت کھانا جائز ہے؟ اس بارے میں فقہا کا اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک جائز ہے اور فقہا شافعیہ کا مسلک اصح یہی ہے۔ امام ابو اسحاق شیرازی (متوفی ۴۷۶ھ) "المہذب" میں لکھتے ہیں: "اگر کوئی (بھوک سے مر رہا ہو) مضطر ہو گیا ہو اور اس کے پاس مردہ انسان کی لاش پڑی ہو تو اس کے لیے اس کا گوشت کھانا جائز ہے۔ کیونکہ زندہ انسان کا احترام مردہ انسان کے احترام سے زیادہ ہے (شرح المہذب)۔

مالکیہ میں سے قاضی ابن العربیؒ کے نزدیک بھی جائز ہے، مگر اس شرط کے ساتھ کہ بچنے کا یقین یا ظن غالب ہو۔ "میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ مضطر، انسان کا گوشت نہ کھائے الا یہ کہ جب اسے یقین ہو (یا غالب گمان) کہ یہ اس کی جان بچا لے گا"۔ (احکام القرآن، ابن عربی) لیکن مالکیہ کا اصل مسلک یہ ہے کہ انسان کا گوشت کھانا اضطرار کی حالت میں بھی جائز نہیں ہے۔ مشہور مالکی امام قرطبیؒ لکھتے ہیں: "انسان کا گوشت نہیں کھائے گا اگرچہ وہ مر جائے۔ ہمارے علما نے اسی طرح کہا ہے اور امام احمدؒ اور امام داؤدؒ کی بھی رائے ہے" (الجامع الاحکام القرآن)۔

ابن قدامہ حنبلیؒ نے خود بھی جواز کے قول کو ترجیح دی ہے اور ابو الخطاب حنبلیؒ اور بعض حنفیہ کا قول بھی جواز کے حق میں نقل کیا ہے، لیکن حنابلہ کا اصل مسلک اس طرح نقل کیا ہے: "اور اگر معصوم انسان

کو مردہ پائے تو ہمارے اصحاب کے نزدیک اس کا کھانا جائز نہیں ہے" (المغنی ج ۹، ص ۴۲۱)۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ مالکیہؒ، حنابلہؒ اور حنفیہؒ کا مسلک یہ ہے کہ ضرورت و اضطرار کے وقت بھی انسان کی جان بچانے کے لیے مردہ انسان کا گوشت کھانا جائز نہیں ہے۔ اس لیے کہ انسان کا احترام و اکرام اس کی اجازت نہیں دیتا کہ گوشت کھایا جائے۔ باقی حرام چیزوں کی حرمت ان کی نجاست و خباثت کی وجہ سے ہے۔ لہٰذا موت سے بچنے کے لیے ان کی اجازت دی گئی ہے۔ مگر امام شافعیؒ، بعض مالکیہؒ، حنابلہؒ اور حنفیہؒ کی رائے یہ ہے کہ جس طرح اضطراری حالت میں انسان کی زندگی بچانے کے لیے باقی حرام چیزیں بقدر ضرورت جائز ہو جاتی ہیں، اسی طرح انسان کی لاش سے ضرورت کی حد تک گوشت کا ٹکڑا کاٹ کر کھانا بھی جائز ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ زندہ انسان کا احترام و اکرام اور اس کی جان بچانا مردہ انسان کے احترام سے زیادہ ضروری ہے لہٰذا بڑی مصلحت کے حصول کے لیے چھوٹی مصلحت کو قربان کر لینا چاہیے اور بڑے نقصان (موت) سے بچنے کے لیے چھوٹے نقصان (لاش کی بے حرمتی) کو برداشت کر لینا چاہیے۔ مگر اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ یہ اختلاف اس صورت کے بارے میں ہے کہ جب مضطر کو مردار یا کوئی اور حلال یا حرام چیز کھانے کے لیے نہ مل سکتی ہو اور موت کا خطرہ شدید ہو۔

آنکھ کے قرنیئے، گردے اور دل وغیرہ کے مریض کے جسم میں پیوند کاری سے گوشت کا ٹکڑا کھانے کے مقابلے میں لاش کی بے حرمتی کم ہوتی ہے، لہٰذا مذکورہ قاعدے (الضرورات تبیح المحظورات) کی بنا پر اعضا کی پیوند کاری کی اجازت دی جا سکتی ہے۔ بشرطیکہ متبادل دستیاب نہ ہو اور مسلمان ڈاکٹر کی رائے میں اس پیوند کاری کی کامیابی اور مریض کی صحت یابی کا "ظن غالب" ہو۔ صرف احتمال و امکان کی بنا پر انسانی اعضا کا کاٹنا جائز نہیں ہے۔

جواز کی یہ رائے قطعی نہیں ہے بلکہ ظنی ہے، اس لیے کہ یہ جس نظیر پر مبنی ہے وہ اختلافی ہے، اجماعی نہیں ہے۔ وہ نظیر یہ ہے کہ ضرورت و اضطرار کی حالت میں مردہ انسان کا گوشت کھانا جمہور فقہا کے نزدیک "الضرورات تبیح المحظورات" کے شرعی قاعدے کی جزئیات میں شامل نہیں ہے اور بعض فقہا کے نزدیک اس قاعدہ شرعیہ کا انطباق اس پر بھی ہوتا ہے۔ چونکہ اختلافی امور میں سختی بھی مناسب نہیں ہوتی اور بے احتیاطی بھی مناسب نہیں ہوتی، اس لیے مذکورہ دو شرطوں سے مشروط پیوند کاری کی ترغیب دینا بھی مناسب نہیں ہے اور اس کو سختی کے ساتھ منع کرنا اور حرام کہنا بھی مناسب نہیں ہے۔

۲۔ انسانی اعضا کی پیوند کاری سے متعلق دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ: اذا تعارضت مفسدتان روعی اعظمھما ضررا بارتکاب اخفھما (الاشباہ للسیوطی ص ۸۷، الاشباہ لابن نجیمؒ ص ۴۳، المجلہ مادہ ۲۸) "جب دو خرابیوں کے درمیان تعارض ہو تو زیادہ نقصان دہ خرابی سے بچنے کے لیے کم تر خرابی کو اختیار کیا جائے"۔

یہ قاعدہ بھی متعدد نصوص سے ماخوذ ہے لیکن اس کی ایک واضح مثال بھی کافی ہے جو یہ ہے: "صعب بن جثامہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابواء یا ودان کے مقام پر میرے پاس سے گزر رہے تھے کہ کسی نے آپؐ سے سوال کیا کہ اگر جہاد کے دوران مشرکین پر رات کو حملہ کیا جائے (شبخون مارا جائے) اور اس میں ان کی عورتیں اور بچے بھی مارے جائیں تو اس کا حکم کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ھم منھم یہ عورتیں اور بچے بھی انھی میں سے ہیں" (صحیح بخاری)۔

لیکن بخاری شریف میں اس حدیث کے متصل بعد عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ ایک لڑائی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کی لاش کو دیکھا جو قتل کی گئی تھی تو آپؐ نے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع کر دیا۔ ابن حجر عسقلانیؒ اور دوسرے شارحین بخاری نے دونوں حدیثوں میں یہ تطبیق کی ہے: "جب لڑنے والے مردوں تک پہنچنا ان کی عورتوں اور بچوں کو قتل کیے بغیر ممکن نہ ہو اور مخلوط ہونے کی وجہ سے عورتیں اور بچے بھی قتل ہو جائیں تو کوئی گناہ نہیں ہے" (فتح الباری)۔

دشمن کو محاذ جنگ میں بچنے اور سنبھلنے کا موقع دینا مجاہدین کے لیے زیادہ نقصان دہ ہے۔ اس لیے اس بڑے نقصان سے بچنے کے لیے مشرکین کے بچوں اور عورتوں کے قتل ہو جانے کو برداشت کیا جا سکتا ہے جبکہ مجاہدین نے ان کو ارادتاً قتل نہیں کیا تھا بلکہ وہ مخلوط ہونے یا ڈھال بنائے جانے کی وجہ سے قتل ہوئے تھے۔ یہی حکم اس صورت کے بارے میں بھی ہے کہ مشرکین نے مسلمان قیدیوں کو محاذ جنگ میں مجاہدین کے سامنے بطور ڈھال کھڑا کر دیا ہو یا بٹھا دیا ہو اور ان کو بچا کر دشمن پر حملہ کرنے اور اپنا دفاع کرنے کی دوسری کوئی تدبیر ممکن نہ ہو تو بڑے نقصان اور سب کی تباہی سے بچنے کے لیے مسلمان قیدیوں کے قتل ہو جانے کو برداشت کیا جا سکتا ہے جبکہ نیت کفار کو قتل کرنے کی ہو اور یرغمالی مسلمانوں کو بچانے کی ہر ممکن تدبیر اختیار کی جا رہی ہو۔ ابن نجیمؒ نے اشباہ میں اور حمویؒ نے شرح اشباہ میں اسی طرح لکھا ہے (الاشباہ والنظائر)۔

"اگر حاملہ عورت مر گئی ہو اور اس کے پیٹ میں بچہ ہو جو حرکت کر رہا ہو اور اگر غالب گمان یہ ہو کہ یہ زندہ ہے اور اتنی مدت کا ہے کہ زندہ رہ سکتا ہے تو اس صورت میں اس عورت کا پیٹ چاک کیا جائے گا۔ اس لیے کہ اس سے انسان کی زندگی بچ سکتی ہے اگرچہ انسان کی تعظیم و تکریم کو ترک کیا جا رہا ہے لیکن تعظیم و تکریم اور احترام آدمیت کا ترک کرنا کم تر خرابی ہے بہ نسبت اس کے کہ بچے کو موت کے حوالے کر دیا جائے" (تحفۃ الفقہا)۔

مقصد یہ ہے کہ زندہ انسان کی جان بچانے کے لیے لاش کی بے حرمتی برداشت کی جا سکتی ہے۔ کیونکہ زندہ انسان کا مر جانا بڑا نقصان ہے اور لاش کے پیٹ کو چاک کرنا اس کے مقابلے میں کم تر نقصان ہے، اس

لیے مذکورہ شرعی قاعدے کی روشنی میں اس نقصان کو برداشت کر لینا چاہیے! لیکن اگر کسی نے کسی کا موتی یا کوئی اور قیمتی چیز نگل لی ہو اور اس کے بعد وہ مر گیا ہو تو موتی نکالنے کے لیے میت کا پیٹ چاک نہیں کیا جائے گا اس لیے کہ انسانی لاش کا احترام مال کے احترام سے زیادہ ہے۔ اگرچہ فقہ کی بعض کتابوں میں موتی نکالنے کے لیے بھی اس کی اجازت نقل کی گئی ہے، لیکن علامہ سمرقندیؒ نے اصل مسلک یہی نقل کیا ہے کہ موتی نکالنے کے لیے پیٹ چاک کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی (الاشباہ ابن نجیم)۔

مردہ عورت کے پیٹ سے زندہ بچہ نکالنے کی مثال اعضا کی پیوند کاری کی نظیر نہیں بن سکتی، اس لیے کہ اس میں جسم کے کسی عضو کو دوسرے جسم میں لگانے کے لیے کاٹا نہیں جاتا بلکہ بچے کو زندہ نکالنے کے لیے صرف پیٹ کو کھولا جاتا ہے۔ اسی طرح جہادی ضرورت کی بنا پر یرغمالی مسلمانوں اور مشرکین کی عورتوں اور بچوں کے مارے جانے کو اعضا کی پیوند کاری کی نظیر نہیں بنایا جا سکتا، اس لیے کہ اس صورت میں نہ ارادتاً قتل کیا جاتا ہے، نہ اعضا کاٹے جاتے ہیں، اور نہ اعضا کو پیوند کاری کے عمل میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ افراد کی شخصی ضرورت کو جہادی مجبوریوں پر قیاس کرنا مناسب بھی نہیں ہے۔ جنگ کی ہنگامی اور اضطرابی حالت میں بہت سی چیزیں جائز ہو جاتی ہیں جو عام حالات میں جائز نہیں ہوتیں۔

البتہ اس قاعدے کا انطباق ہمارے زیر غور مسئلے پر اس طرح کیا جا سکتا ہے کہ مریض کا مر جانا بڑا نقصان ہے اور میت کے عضو کو کاٹ کر مریض کے جسم میں لگانا نسبتاً کم خرابی ہے۔ اس لیے بڑے نقصان سے بچنے کے لیے میت کی بے حرمتی کو برداشت کر لینا چاہیے، بشرطیکہ متبادل موجود نہ ہو اور مریض کے بچنے کی قوی امید ہو، جس طرح بچے کی زندگی بچانے کے لیے اس کی مردہ ماں کا پیٹ چاک کرنے کی بے حرمتی برداشت کی جاتی ہے۔ مذکورہ قاعدہ نمبر ۲ کی متبادل صورت یہ بھی ہے کہ جب دو مصلحتوں کے درمیان تعارض ہو تو کم تر مصلحت پر برتر مصلحت کو ترجیح دی جائے گی۔ اگرچہ قرآن و سنت کے منصوص حکم کے مقابلے میں مصالح کا کوئی اعتبار نہیں ہے، لیکن اضطراری حالت میں تو ناجائز چیزوں کے بقدر ضرورت استعمال کی اجازت نص قرآنی نے دی ہے۔

۳۔ سیوطیؒ، ابن نجیم اور مجلہ نے اس سلسلے میں ایک اور قاعدے کا ذکر بھی کیا ہے:

الضرر لا یزال بالضرر "ضرر کا ازالہ دوسرے کو ضرر پہنچا کر جائز نہیں ہے"۔

اس قاعدے کا مفہوم یہ ہے کہ ایک انسان کی زندگی بچانے کے لیے دوسرے انسان کو موت کے حوالے کرنا یا ایک کو اضطراری حالت سے نکالنے کے لیے دوسرے کو اضطراری حالت سے دوچار کرنا جائز نہیں ہے۔ اس اصول کی روشنی میں زندہ انسان کے اعضا کی پیوند کاری اور مردہ انسان کے اعضا کی پیوند کاری میں فرق ہے اور دونوں کا حکم یکساں نہیں ہے۔ اس لیے کہ زندہ انسان کے اعضا کاٹنے سے اس کی زندگی کو بھی خطرہ لاحق ہو سکتا ہے اور انسانی جسم کا احترام بھی مجروح ہوتا ہے۔ اس فرق کو ملحوظ رکھتے ہوئے

تمام علما نے کہا ہے کہ دوسرے کی بینائی کے لیے اپنی بینائی ختم کرنا اور آنکھ کا عطیہ دینا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح دل یا دوسرا ایسا عضو دینا بھی جائز نہیں ہے جس کے کاٹنے کی وجہ سے خود عطیہ دینے والے کے مر جانے یا قریب الموت ہو جانے کا خطرہ ہو، کیونکہ دوسرے کی زندگی بچانے کے لیے یا اس کے ضرر کے ازالے کے لیے اپنی زندگی کو ختم کرنا یا اپنے آپ کو ضرر پہنچانا جائز نہیں ہے۔

لیکن اگر یہ ثابت ہو جائے کہ انسان صرف ایک گردہ سے زندہ رہ سکتا ہے، اور اس کا بھی غالب گمان ہو کہ اگر اس کا ایک گردہ آپریشن کے جدید اور محفوظ طریقے سے نکال کر گردے کے مریض کو لگا دیا جائے تو اس کی زندگی بچ جائے گی، تو مذکورہ قواعد کی بنیاد پر اس کی اجازت دی جا سکتی ہے مگر صرف امکان و احتمال اور معمولی سی امید کی بنا پر زندہ انسان کو نقصان پہنچانا اور اسے موت و حیات کی اضطراری حالت میں مبتلا کرنا نہ شرعاً درست ہے اور نہ یہ عقل مندی کا تقاضا ہے۔ اس لیے ڈاکٹروں کو بھی بڑی احتیاط کرنی چاہیے اور مفتیوں کو فتویٰ دینے میں احتیاط کرنی چاہیے اور شرعی شرائط کو ملحوظ رکھ کر فتویٰ دینا چاہیے!

سعودی عرب کے علما کا فتویٰ

سعودی عرب میں سرکاری سطح پر علمی مباحث اور افتا کے لیے اکابر علما کی ایک مستقل کمیٹی قائم ہے۔ اس کمیٹی نے آنکھوں کے قرنیئے کی پیوند کاری کے بارے میں علمی تحقیق اور آنکھوں کے ڈاکٹروں کی رائے معلوم کرنے کے بعد کثرت رائے سے درج ذیل فتویٰ دیا تھا جو ۲۵ شوال ۱۳۹۸ھ کو ایک قرارداد کی صورت میں جاری ہوا تھا۔

"بحث و تحقیق اور نقطہ ہائے نظر کے تبادلے کے بعد کمیٹی نے کثرت رائے سے یہ رائے قائم کی ہے کہ موت کا یقین ہو جانے کے بعد میت کی آنکھ کا قرنیہ لے کر کسی مسلمان کی آنکھ میں لگانا جائز ہے بشرطیکہ وہ مضطر ہو اور متبادل علاج موجود نہ ہو، اس عمل کی کامیابی کا غالب گمان اور قوی امید ہو اور میت کے وارثوں نے اس کی اجازت دے دی ہو۔ یہ رائے ان قواعد پر مبنی ہے کہ "اعلیٰ مصلحت کو ادنیٰ مصلحت پر ترجیح دینی چاہیے"، "بڑے ضرر سے بچنے کے لیے کم تر ضرر کو اختیار کر لینا چاہیے" اور "زندہ شخص کی مصلحت کو میت کی مصلحت پر ترجیح دینی چاہیے"۔ اس لیے کہ اس عمل سے میت کو نقصان نہیں پہنچتا کیونکہ وہ تو مر گیا ہے اور زندہ شخص کی بینائی بحال ہو جانے کی امید کی جا سکتی ہے جس کی بحالی سے وہ خود بھی نفع اٹھائے گا اور امت مسلمہ بھی اس کی بینائی سے نفع اٹھائے گی۔ اس عمل میں میت کا دکھائی دینے والا مثلہ بھی نہیں ہوتا اس لیے کہ اس کی آنکھیں اچھی طرح بند کر دی جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ اگر طبی تحقیق سے ثابت ہو جائے کہ مریض کی آنکھ کا نکالنا ضروری ہے اور اس کا اپنی جگہ پر برقرار رہنا خطرناک ہے تو اس صورت میں نکالی گئی آنکھ کا قرنیہ نکال کر دوسرے مسلمان کی آنکھ میں لگانا بھی جائز ہے۔ اس لیے کہ اس آنکھ کا نکالنا مریض کی صحت کے تحفظ کے لیے ضروری ہے اور اس کا قرنیہ لے کر دوسرے مسلمان کی آنکھ میں لگانے سے اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا اور دوسرے کو فائدہ پہنچتا ہے۔ اس لیے شریعت اور انسانیت کا

تقاضا یہ ہے کہ اس عمل کی اجازت دے دی جائے" (مجلة البحوث الاسلامیہ عدد ۱۴، ص ۶۷)۔

الجزائر کے علما کا فتوٰی

الجزائر کی تعلیم اور مذہبی امور کی وزارت کی کمیٹی برائے افتا کی رائے کا خلاصہ یہ ہے: "کمیٹی نے اطبا کا بیان سننے اور علما کے ساتھ بحث و مباحثے کے بعد یہ رائے قائم کی ہے کہ زندہ انسان سے خون لے کر مریض کو دینے یا کوئی عضو (مثلاً گردہ) نکال کر مریض کو لگانے کے لیے ایک شرط تو یہ ہے کہ خون یا عضو دینے والا اپنی خوشی سے دے رہا ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ اس سے اس کی موت کا خطرہ بھی نہ ہو اور ضرر پہنچنے کا کوئی اندیشہ بھی نہ ہو۔ اگر عطیہ دینے والے کی موت کا یا ضرر پہنچنے کا خطرہ ہو تو پھر یہ عمل جائز نہیں ہے اگرچہ وہ راضی ہو اس لیے کہ یہ خودکشی ہے یا اپنے آپ کو خطرے میں ڈالنا ہے۔ میت کا عضو لے کر پیوند کاری کرنا اسی وقت جائز ہے کہ ڈاکٹروں کو یقین ہو جائے کہ موت واقع ہو گئی ہے اور جسم میں زندگی کا اثر باقی نہیں رہا۔ اگر معمولی سا شک بھی ہو کہ مریض ابھی زندہ ہے تو اس کا کوئی عضو لینا جائز نہیں ہے اس لیے کہ ایسی صورت حال میں جسم کو چاک کرنا قتل عمد کے مترادف ہے (مجلة البحوث الاسلامیہ، ص ۴۴ اور ۵۰)۔

ملائشیا کی بین الاقوامی کانفرنس کا فیصلہ

۱۹۶۹ میں ملائشیا میں ایک بین الاقوامی کانفرنس منعقد ہوئی تھی جس میں اعضا کی پیوند کاری کے مسئلے پر بحث کرنے کے لیے شیخ عبداللہ کنون کی صدارت میں ایک کمیٹی بنائی گئی تھی۔ کمیٹی نے ملائشیا کے علما اور مختلف فتاوٰی اور آرا کی روشنی میں بحث و مباحثہ کیا اور یہ رائے قائم کی کہ اعضا کی پیوند کاری کا عمل جائز تو ہے مگر اس کے لیے شرائط ہیں جن کے بغیر جواز کا فتوٰی نہیں دیا جا سکتا۔

مریض کے اضطرار اور معطی کی موت کے یقینی ہونے کے علاوہ ایک شرط یہ ہے کہ مریض اضطراری حالت میں ہو اور اس کی زندگی بظاہر اس عمل سے بچ سکتی ہو اور کوئی دوسرا متبادل علاج موجود نہ ہو۔

ایک شرط یہ ہے کہ اس بات کا یقین اور احتیاطی تدابیر کا علم حاصل کر لیا جائے کہ اعضا کی پیوند کاری کا یہ عمل انسانوں کے قتل یا انسانی اعضا کی تجارت اور کاروبار کا ذریعہ نہیں بنے گا۔

ایک مزید شرط یہ ہے کہ میت کے وارثوں کی رضامندی حاصل کر لی گئی ہو یا مرنے والے نے وصیت کی ہو کہ میرے جسم کا فلاں عضو لے لیا جائے (مجلة البحوث الاسلامیہ، ص ۵۱ - ۵۴)۔

مشہور محقق ڈاکٹر عبدالکریم زیدان کی تحقیق بھی یہی ہے۔

مذکورہ تمام آرا کی بنیاد "اضطرار و ضرورت" کا قاعدہ ہے اور "اھون البلیتین" اور "اقوی المصلحتین" کے قواعد سے بھی استدلال کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں جو وصیت کا ذکر کیا گیا ہے اس کی تو کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے، کیونکہ وصیت اسی چیز میں معتبر ہو سکتی ہے جس میں میراث جاری ہوتی ہو۔ البتہ وارثوں کی اجازت ضروری ہے، اس لیے کہ وہ میت کی تدفین و تجہیز کے شرعاً ذمہ دار ہیں۔ اگرچہ میت کے اعضا اور

اس کا جسم وارثوں کی ملکیت نہیں ہے۔

قاعدہ سد ذریعہ

جس طرح کہ شریعت میں اضطرار و ضرورت کے وقت ناجائز چیزیں بقدر ضرورت جائز ہو جاتی ہیں، اسی طرح قرآن و سنت سے ثابت شدہ قاعدۂ "سد ذریعہ" کے تحت جائز اور مباح بلکہ مستحب اور مستحسن چیز جب کسی بڑی خرابی کا ذریعہ بن رہی ہو تو وہ اس وقت تک ممنوع ہو جاتی ہے جب تک کہ اس سے خرابی پیدا ہونے کا خطرہ ہو۔ اس قاعدے کی جزئیات اور دلائل سے اہل علم بخوبی واقف ہیں اور حافظ ابن قیمؒ نے "اعلام الموقعین" میں اس کی ۹۹ مثالیں پیش کی ہیں۔ اس قاعدے کی روشنی میں جب اعضا کی پیوند کاری کے مسئلے کا ہم جائزہ لیتے ہیں تو اس کا ایک دوسرا پہلو سامنے آتا ہے اور وہ یہ کہ اگر علاج کا یہ طریقہ عام ہو جائے اور اس کا شرعی جواز بھی فراہم کر دیا جائے تو انسانی لاشیں مال تجارت بن جائیں گی، انسانی اعضا کا بڑے پیمانے پر کاروبار شروع ہو جائے گا اور انسانیت و آدمیت کی کرامت ختم ہو کر رہ جائے گی۔ نفس پرستی اور خود غرضی کے اس دور میں یہ بھی بعید نہیں ہے کہ کچھ لوگ اپنی عیاشی اور خود غرضی کے لیے غریبوں اور ان کے بچوں کی زندگی سے کھیلنا شروع کر دیں۔ بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ کچھ لوگ اپنی غربت اور مفلوک الحالی کی وجہ سے اپنے رشتے داروں کی لاشیں فروخت کرنا شروع کر دیں جب کہ ان کو خدمت خلق کے نام سے ترغیب و تحریص بھی دلائی جا رہی ہو۔ ظاہر ہے کہ انسانی لاشوں اور ان کے اعضا و اجزا کا مال تجارت بن جانا شرعی اور اخلاقی لحاظ سے بہت بڑی خرابی ہے۔ چنانچہ اگر اعضا کی پیوند کاری کا عمل اس بڑی خرابی کا ذریعہ بن رہا ہو تو اضطراری حالت میں جائز ہونے کے باوجود اس پر پابندی لگائی جا سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ملائشیا کانفرنس کے فیصلے میں جواز کے لیے یہ شرط بھی لگائی گئی ہے کہ یہ عمل انسانی اعضا کے کاروبار کا ذریعہ نہ بن رہا ہو۔

مفتی محمد شفیعؒ اور مولانا محمد یوسف بنوریؒ کی رہنمائی میں کراچی کے اکابر علما کے ایک بورڈ نے فتویٰ دیا تھا کہ انسانی اعضا کی پیوند کاری جائز نہیں ہے اور ان کا عطیہ دینا یا وصیت کرنا بھی شرعاً معتبر نہیں ہے۔ یہ فیصلہ "اعضا کی پیوند کاری" کے نام سے شائع کر دیا گیا ہے۔ دوسرے اکابر علما کی بھی یہی رائے ہے۔ اس کی ایک وجہ تو وہ نصوص ہیں جن میں انسانی اعضا کی قطع و برید اور استعمال و ابتذال ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ عمل انسانی لاشوں کا مال تجارت بننے کا ذریعہ ثابت ہو سکتا ہے۔ یہ اکابر علما اضطراری حالت میں حرام چیزوں کے غذا یا دوا استعمال کرنے کو جائز سمجھتے ہیں لیکن انسانی اعضا کی ترقیع کے جواز کے اس لیے قائل نہیں ہیں کہ یہ احترام آدمیت کے منافی ہے۔ اس کے علاوہ ان اکابر اہل علم نے صرف "قانون ضرورت" کو مد نظر نہیں رکھا بلکہ "قانون سد ذریعہ" کے مقتضیات کو بھی ملحوظ رکھا ہے۔ عرب، الجزائر، ملائشیا اور عالم اسلام کے بعض اہل علم کی رائے یہ بنی ہے کہ مال تجارت بننے سے روکنے کی انسدادی تدابیر کی جانی چاہییں اور اضطراری حالت میں اس عمل کی اجازت دے دینی چاہیے!

"تفہیم المسائل" حصہ اول میں، میں نے نصوص کی روشنی میں بحث کی تھی اور نصوص تو ظاہر ہے کہ انسانی اعضا کی منتقلی کی ممانعت پر دلالت کرتی ہیں۔ اور علما راسخین کی تحقیق بھی یہی ہے کہ یہ عمل جائز نہیں ہے لیکن بعد میں جب میں نے اضطرار، مصلحت اور سد ذریعہ کے قواعد کی روشنی میں غور کیا تو معلوم ہوا کہ اضطراری حالت میں بقدر ضرورت باقی حرام چیزوں کی طرح اعضا کی ترقیع کی اجازت بھی دی جا سکتی ہے۔ یہ رائے پہلی رائے کے خلاف نہیں ہے، اس لیے کہ اصولاً تو نصوص کی وجہ سے انسانی اعضا کا استعمال ممنوع ہے اور اضطرار کے مسئلے کو میں نے چھیڑا نہیں تھا۔ میرا خیال تھا کہ متبادل مصنوعی اعضا موجود ہیں۔ اب معلوم ہوا کہ بعض اعضا کا متبادل ابھی تک ایجاد ہی نہیں ہوا اور بعض ناکام ثابت ہوئے ہیں۔ اس لیے مذکورہ بحث کی روشنی میں میری ناقص رائے یہ ہے:

۱۔ اصولاً تو انسانی اعضا کی پیوند کاری اور ان کا استعمال و ابتذال ممنوع ہے اور یہ ممانعت احادیث رسولؐ سے ثابت ہے۔

۲۔ لیکن "الضرورات تبیح المحظورات"، "اختیار اھون البلیتین" اور ترجیح اقوی المصلحتین کے شرعی قواعد کے تحت اضطراری حالت میں بقدر ضرورت یہ عمل جائز ہے مگر اس کے لیے درج ذیل شرائط ہیں۔ ان میں سے اگر ایک بھی پوری نہ کی گئی ہو تو پھر اعضا کی منتقلی کی شرعاً اجازت نہیں دی جا سکتی۔

(الف) مریض کی موت یا اس کے کسی عضو کے ضائع ہو جانے کا شدید خطرہ ہو۔

(ب) ماہرین کی رائے یہ ہو کہ انسانی عضو کی پیوند کاری سے مریض کے شفایاب ہونے کی قوی امید ہے اور اس عمل کی کامیابی کا غالب گمان ہے۔

(ج) جس شخص کی لاش سے کوئی عضو لیا جا رہا ہو، اس کے بارے میں اچھی طرح یقین حاصل کر لیا گیا ہو کہ یہ مر گیا ہے اور اس کے جسم میں زندگی کی کوئی رمق باقی نہیں رہی۔

(د) اگر زندہ شخص کا کوئی عضو مثلاً گردہ لیا جا رہا ہو تو اس صورت میں یہ یقین یا غالب گمان حاصل کر لیا گیا ہو کہ اس کی زندگی کو کوئی خطرہ نہیں ہے اور وہ اپنی خوشی سے یہ عطیہ دے رہا ہے۔

(ہ) میت کے شرعی وارثوں نے اس کا کوئی عضو لینے کی اجازت دے دی ہو اس لیے کہ وہ اس کی تدفین و تجہیز کے شرعاً ذمہ دار ہیں اور اگر میت لاوارث ہو تو علاقے کا مجاز قاضی اس کا وارث ہے جس کی اجازت پر عضو لیا جا سکتا ہے۔

(و) اس بات کا اطمینان حاصل کر لیا گیا ہو کہ اعضا کی پیوند کاری کا یہ عمل انسانی اعضا کے کاروبار کا ذریعہ ثابت نہیں ہو گا۔ اور حکومتوں نے اس بارے میں قانون کے ذریعے تمام انسدادی اور احتیاطی تدابیر اختیار کر لی ہوں۔

خاندان کی سربراہی کا مسئلہ اور اسلام

الطاف احمد ملانی عمری

اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر اپنے صنف مقابل کی طرف زبردست میلان اور کشش رکھی ہے۔ یہ کشش دونوں صنف کے افراد کے باہمی اتصال پر منتج ہوتی ہے جو بقائے نوع کا واحد ذریعہ ہے۔ اسلام نے انسان میں پائے جانے والے اس شدید ترین فطری داعیے کو مسیحیت اور دیگر راہبانہ مذاہب کی طرح قابل مذمت سمجھا ہے نہ جدید مغربی تہذیب کی طرح انسان کو اپنی جنسی پیاس بجھانے کے لیے بے مہار چھوڑا ہے کہ جیسے چاہے، جہاں چاہے صنفی تعلقات قائم کرتا پھرے۔ بلکہ اس کی تسکین کے لیے نکاح کا بہترین طریقہ سکھلایا ہے جس میں دو افراد معاشرے کے سامنے ایک پختہ معاہدے کے ذریعے ایک مستقل اور پایدار تعلق قائم کرتے ہیں۔ اس کے تقاضوں اور اس کی ذمہ داریوں کو پورا کرنا ان پر ضروری ہوتا ہے۔ قرآن نے اس معاہدے کے لیے "میثاق غلیظ" کی تعبیر استعمال کی ہے:

وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُ وَقَدْ أَفْضَىٰ بَعْضُكُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ وَأَخَذْنَ مِنكُم مِّيثَاقًا غَلِيظًا (النساء ۴:۲۱)

اور آخر تم اسے (مہر کو) کس طرح لے لو گے جب کہ تم ایک دوسرے سے لطف اندوز ہو چکے ہو اور وہ تم سے پختہ عہد لے چکی ہیں؟

نکاح کے ذریعے فرد کی انفرادیت، اجتماعیت میں تبدیل ہو جاتی ہے اور ایک خاندان وجود میں آتا ہے جو تمدن انسانی کا سنگ بنیاد ہے۔ ظاہر ہے کہ انسان وحشت کے خواہ کتنے ہی ابتدائی درجے میں ہو کسی نہ کسی درجے کی مدنیت بہرحال اس کی زندگی کے لیے ناگزیر ہے۔ یہ مدنیت اس کی فطری طلب ہے جو مختلف خاندانوں کے باہمی ارتباط سے وجود میں آتی ہے۔

اس طرح نکاح کے ذریعے دو مقابل صنف کے افراد انسانی کا اتصال جہاں ان کے جنسی داعیے کی تسکین کرتا ہے وہیں بقائے نوع اور وجود مدنیت کے فوائد بھی عطا کرتا ہے۔

اجتماعیت کے لیے سربراہ کی ضرورت

اجتماعیت کے لیے کسی ایک فرد کی سربراہی، قیادت اور دیگر افراد پر اس کی اطاعت ضروری ہے۔ انسانی

تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ انسان کی فطرت میں خیر کے ساتھ شر بھی رکھا گیا ہے۔ لہٰذا جہاں چند افراد مل جل کر زندگی بسر کرتے ہیں وہاں اکثر ان کے درمیان مفادات کی کش مکش برپا ہوتی ہے۔ طاقت ور افراد اپنے حقوق تو حاصل کر لیتے ہیں لیکن اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی سے پہلوتہی کرنے لگتے ہیں۔ وہ کمزور افراد کے حقوق پر ڈاکے ڈالتے اور انھیں اپنے حقوق سے محروم کر دیتے ہیں۔ اس طرح اجتماعیت کے مقاصد فوت ہونے لگتے ہیں۔

اجتماعیت کو داخلی مسائل کی طرح خارجی حملوں کا بھی سامنا ہوتا ہے۔ یہ حملے کبھی اس کے افراد کے مال پر، کبھی جان پر، کبھی عزت و آبرو پر اور کبھی دیگر حقوق پر ہوتے ہیں۔ جن کی وجہ سے بسااوقات اجتماعیت کا وجود بھی خطرے میں پڑ جاتا ہے۔

ان مسائل کو حل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اجتماعیت کا ایک سربراہ ہو اور دیگر تمام افراد معروف میں پورے خلوص اور خوش دلی کے ساتھ اس کی اطاعت کریں۔

سربراہی کا یہ مقام کسی ایک فرد کو حاصل ہو سکتا ہے۔ اگر ایک سے زائد افراد اس کے حامل ہوں اور سب اپنی آزاد مرضی چلانا چاہیں تو اجتماعیت کا نظم لازماً درہم برہم ہو کر رہ جائے گا۔ خاندان بھی ایک اجتماعی ادارہ ہے اور بڑا پیچیدہ ادارہ ہے۔ اس کا نظم و نسق بھی اسی وقت برقرار رہ سکتا ہے جب کہ اس کی سربراہی کسی ایک ہی فرد کے ہاتھ میں ہو۔ اگر اس کے ساتھ دوسرے فرد کو بھی یہی حیثیت دے دی جائے تو اس کا نظم نہیں چل سکتا بلکہ اس کے وجود کا باقی رہنا بھی دشوار ہے۔

خاندان کا سربراہ کون ہو؟

خاندان کی سربراہی کوئی اعزازی منصب نہیں بلکہ ایک انتہائی اہم ذمہ داری ہے جس کے اثرات پورے معاشرے پر اور نظام تمدن پر پڑتے ہیں۔ لہٰذا اس ذمہ داری کو اسی کے حوالے کیا جانا چاہیے جس کے اندر فطرت نے اس بار کو اٹھانے کی صلاحیت پیدا کی ہے تاکہ وہ بحسن و خوبی اس سے عہدہ برآ ہو سکے۔

خاندان اور اس کی سربراہی کا مسئلہ اتنا ہی قدیم ہے جتنا کہ اس زمین پر انسان کا وجود قدیم ہے۔ لہٰذا ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ انسان نے اپنے مختلف ادوار میں اس مسئلے کے متعلق کیا رویہ اپنایا ہے۔

اس پہلو سے جب ہم تاریخ انسانی کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ بعض اقوام ایسی ہیں جنھوں نے عورت کو خاندان کا سربراہ مقرر کیا۔ لیکن ہمیں ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی کہ اس قسم کی قوموں میں کسی قوم نے کوئی بڑا کارنامہ انجام دیا ہو اور وہ تہذیب و تمدن کے اعلیٰ مراتب تک پہنچی ہو۔

بیشتر اقوام عالم نے مرد کو عورت پر قوام بنایا۔ مگر اس ترجیح نے اکثر ظلم کی شکل اختیار کر لی۔ عورت کو تمام معاشی اور تمدنی حقوق سے محروم کر کے لونڈی بنا کر رکھا گیا اور ہر طرح اس کی تذلیل و تحقیر کی گئی۔

جدید مغربی تہذیب نے ایک تیسرا طریقہ اختیار کیا اور وہ یہ کہ مرد اور عورت کے درمیان کامل مساوات ہو۔ دونوں کی ذمہ داریاں یکساں اور قریب قریب ایک ہی طرح کی ہوں۔ دونوں ایک ہی دائرہ کار میں مسابقت کریں اور دونوں اپنی معاشی ضروریات خود پوری کریں، کوئی کسی کا بار نہ اٹھائے۔

معاشرت کی تنظیم کا یہ قاعدہ ابھی تک پوری طرح تکمیل کو نہیں پہنچا ہے کیونکہ مرد کی برتری و فضیلت اب بھی نمایاں ہے۔ زندگی کے کسی شعبے میں عورت مرد کے ہم پلہ ہے نہ اس کو اب تک وہ تمام حقوق حاصل ہوئے ہیں جو کامل مساوات کی صورت میں اسے ملنے چاہییں۔ لیکن جس حد تک بھی مساوات قائم کی گئی ہے اس نے بھی اس نظام تمدن میں فساد برپا کر دیا ہے اور اس کے خاندانی نظام کا شیرازہ بری طرح ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو چکا ہے۔

یہ تینوں قسم کے تمدن عدل، توازن اور تناسب سے خالی ہیں کیوں کہ انھوں نے فطرت کی رہنمائی کو سمجھنے اور اس کے مطابق ٹھیک طریقہ اختیار کرنے میں کوتاہی کی ہے۔

اسلام کا نقطہ نظر

اس سلسلے میں اسلام نے ایسا نقطہ نظر پیش کیا ہے جو انتہائی عادلانہ، متوازن اور مناسب ہے۔ ان تمام نقائص اور خرابیوں سے پاک ہے جو غیر الٰہی نظامہائے معاشرت میں پائے جاتے ہیں۔ اس نے نوع انسانی کی دونوں صنفوں کی نفسیات، ان کے مزاج اور ان کی قوتوں اور صلاحیتوں کی رعایت کرتے ہوئے خاندان کے اس ادارہ کا سربراہ مرد کو مقرر کیا ہے۔ کیوں کہ وہ اپنی فطرت کے لحاظ سے اس ذمہ داری سے عورت کی بہ نسبت زیادہ بہتر انداز میں عہدہ برآ ہو سکتا ہے۔

مرد ہی سربراہ کیوں؟

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر خاندان کا سربراہ مرد ہی کیوں ہو؟ عورت کیوں نہیں ہو سکتی؟ اس کا جواب قرآن مجید نے ان الفاظ میں دیا ہے:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ۚ (النساء ۴:۳۴)

مرد عورتوں پر قوام ہیں، اس بنا پر کہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے، اور اس بنا پر کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔

یہ ایک بدیہی اور ناقابل انکار حقیقت ہے کہ خاندان کا بوجھ اٹھانے کے لیے مرد جسمانی اور ذہنی ساخت کے اعتبار سے زیادہ موزوں ہے۔ وہ اپنے اہل خانہ کے مصالح کے حصول اور ان کے تحفظ کے لیے زیادہ جدوجہد کر سکتا ہے۔ انؐ کے مفادات پر ہونے والے حملوں کا زیادہ موثر دفاع کر سکتا ہے۔ اس کی فطرت میں شدت، تحکم اور ارادے کی پختگی ہے۔ زندگی کے شدائد کا مقابلہ کرنے اور ان سے عہدہ برآ ہونے کی

صلاحیت بھی اس میں زیادہ ہوتی ہے۔ صرف جسمانی قوت کے اعتبار سے ہی نہیں بلکہ ذہنی اور فکری قوتیں بھی اس میں عورت کی بہ نسبت زیادہ پائی جاتی ہیں۔

بعض مخصوص مصروفیات میں کثرت اشتغال اور احساسات و کیفیات سے شدت تاثر کے باوجود ان میدانوں میں بھی وہ مرد کی برابری نہیں کر سکتی ہے۔

"جو کام خاص عورت کے سمجھے جاتے ہیں اور جن میں وہ شاید مدت دراز سے لگی ہوئی ہے' ان میں بھی مرد زیادہ قوت و صلاحیت کا مظاہرہ کرتا ہے جیسے' طباخی (کھانا پکانا) اور خیاطی (سینا پرونا) وغیرہ۔ عورت کا سینہ لطیف جذبات اور نازک احساسات کا مرکز ہے۔ وہ واقعات مسرت اور حادثات غم دونوں سے زیادہ متاثر ہوتی ہے۔ اس لیے خیال ہوتا ہے کہ اسے ان کے اظہار میں مرد کے مقابلے میں زیادہ کامیاب ہونا چاہیے لیکن یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ادب' شاعری' آرٹ اور فنون لطیفہ کے ذریعے ان کیفیات کے بیان کرنے میں مرد جتنا کامیاب رہا' عورت اتنی کامیابی نہ حاصل کر سکی۔ فنون لطیفہ کے سبھی شعبوں پر مرد کی حکمرانی رہی" (سید جلال الدین عمری' مسلمان عورت کے حقوق اور ان پر اعتراضات کا جائزہ' ۱۹۹۴ ص ۵۲)۔

مرد کی مالی ذمہ داریاں

مرد کو خاندان کا سربراہ مقرر کیے جانے کی دوسری وجہ اس کی مالی ذمہ داریاں ہیں۔ وہ نہ صرف اپنے معاش کے سلسلے میں خود کفیل ہوتا ہے بلکہ بیوی بچوں کا بوجھ بھی برداشت کرتا ہے۔ اسلامی قانون کی رو سے اس پر عورت کے مہر' اس کے نان و نفقہ اور اس کے لیے رہائش کا انتظام کرنا بھی واجب ہے۔

اس کے ساتھ وہ بچوں کی تمام مالی ذمہ داریوں کا بوجھ بھی اکیلا برداشت کرتا ہے۔ اولاد کی تعلیم و تربیت اور پرورش و نگہداشت کے اخراجات پورے کرتا ہے۔ اپنی لڑکیوں کی شادی کرنا بھی اس کے فرائض میں شامل ہے۔ جب کہ عورت ان تمام مالی ذمہ داریوں میں اس کی شریک نہیں ہوتی۔ ماں' بیٹی' بہن' بیوی کسی بھی شکل میں اس پر اپنی یا کسی اور کی کوئی معاشی ذمہ داری نہیں ہے۔

مرد یہ ساری ذمہ داری اس لیے قبول کرتا ہے کہ عورت اس کی نگرانی میں اس کے گھر کا نظم چلائے گی' اسے سکون فراہم کرے گی' اس کے بچوں کی نگہداشت اور تربیت کرے گی اور ایک بہتر خاندان کی تعمیر میں مدد دے گی۔

عورت سربراہ کیوں نہیں بن سکتی؟

بعض لوگ مرد کی سربراہی پر یہ اعتراض وارد کرتے ہیں کہ اسلام نے مرد کو سربراہ خاندان مقرر کر کے عورت پر ظلم کیا ہے۔ عورت بے چاری کا کیا قصور ہے کہ سربراہی کے لیے اس کو لائق التفات نہیں سمجھا

جاتا ہے؟

بالفرض اگر ان کے بقول عورت کو خاندان کا سربراہ مان لیا جائے تب بھی ان کا اعتراض ختم نہ ہو گا بلکہ وہ یہ اعتراض ضرور کریں گے کہ مرد نے کیا گناہ کیا تھا کہ اس کے بجائے عورت کو خاندان کا سربراہ بنایا جا رہا ہے؟

ایسے لوگ اس حقیقت کو فراموش کر دیتے ہیں کہ عورت جسمانی اور دماغی ہر لحاظ سے مرد سے مختلف ہے۔ وہ جب تک جوان رہتی ہے حمل، رضاعت، حیض اور نفاس کی تکلیفیں اسے برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ اس سے جہاں اس کی جسمانی صحت غیر معمولی طور پر متاثر ہوتی ہے وہیں اس کی نفسیات پر بھی اس کا اثر پڑتا ہے۔ اس کی قوت کار گھٹ جاتی ہے۔ مزاج میں غصہ، چڑچڑاہٹ اور جھگڑالو پن پیدا ہو جاتا ہے۔

جدید مغربی تمدن مرد و زن کے درمیان کامل مساوات کا دعوے دار ہے لیکن وہاں کی عملی صورتِ حال اس سے کچھ مختلف نہیں۔ چنانچہ ہلکے پھلکے اور معمولی کام تو عورت سے لیے جاتے ہیں لیکن وقت طلب کاموں کے لیے اسے مناسب نہیں تصور کیا جاتا۔ اس کی قوت کار مرد کے مقابلے میں کم سمجھی جاتی ہے۔ عموماً اس کی تنخواہ مرد سے کم ہوتی ہے۔

سربراہ اور حاکم کا ماتحت افراد سے زیادہ طاقت ور ہونا ضروری ہے، ورنہ وہ ماتحتوں سے اپنی اطاعت اور اپنے احکام کی تعمیل نہیں کرا سکتا۔ مرد اور عورت کے درمیان قوت و طاقت اور صلاحیت کا جو فرق ہے اور جسمانی، دماغی، عقلی اور فکری ہر میدان میں مرد کو جو فوقیت حاصل ہے، اس کے ہوتے ہوئے ناممکن ہے کہ مرد عورت کی سربراہی اور بالادستی تسلیم کر لے۔

عورت پر معاشی ذمہ داری ڈالنا ظلم ہے

فطرت نے عورت اور مرد کے درمیان قابلیتوں، صلاحیتوں، قوتوں اور ذہنی و جسمانی ساخت میں جو تفاوت رکھا ہے، اس کے ذریعے دونوں صنفوں کے حلقہ ہائے عمل متعین ہو جاتے ہیں۔ بقائے نوع کے سلسلے میں فطرت نے مرد پر تخم ریزی کے سوا اور کوئی ذمہ داری نہیں عائد کی، بلکہ اس کا سارا بار تنہا عورت پر ڈالا گیا ہے۔ اس بار کو سنبھالنے کے لیے اسے اس وقت سے مستعد کیا جاتا ہے جب کہ وہ ماں کے پیٹ میں محض ایک مضغہ گوشت ہوتی ہے۔ اس کے لیے جسم کی ساری مشین موزوں کی جاتی ہے اور اس کے لیے اسے حیض و نفاس اور حمل و رضاعت کے تکلیف دہ مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ ان تمام ذمہ داریوں میں مرد اس کا شریک نہیں۔ یہ عورت کے ساتھ عدل نہیں ہو گا کہ اس پر مزید معاشی ذمہ داریوں کا بوجھ بھی لاد دیا جائے بلکہ اس کے ساتھ صریح ظلم اور ناانصافی ہو گی۔

عورت کی معاشی جدوجہد کی قیمت پورے خاندان کو یوں چکانی پڑتی ہے کہ گھر کی طرف عورت کی توجہ

نہیں ہو پاتی اور یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر عورت امور خانہ داری پر توجہ دے تو گھر کے مصارف کم رہتے ہیں ورنہ قابو سے باہر ہو جاتے ہیں۔ دوسری جانب گھر کا سکون ختم ہو جاتا ہے۔ میاں بیوی کے درمیان اختلافات رونما ہونے لگتے ہیں۔ ماں کی عدم توجہ کی وجہ سے بچوں کی صحیح تربیت اور فطری اٹھان نہیں ہو پاتی اور اس طرح آیندہ نسل کے واسطے سے پورے تمدن پر اس کے مضر اثرات پڑتے ہیں۔

فطرت نے عورت کو چراغ خانہ بنا کر پیدا کیا ہے۔ وہ جب اپنی اس حیثیت کو فراموش کر کے خود کو شمع محفل بنانا چاہتی ہے تو فطرت کا ترتیب دیا ہوا سارا نظام اختلال کا شکار ہو جاتا ہے۔ مرد و زن کے آزادانہ اختلاط سے معاشرے میں طرح طرح کی اخلاقی پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں۔ نکاح' طلاق' خاندان' رشتے ناطے' عفت و عصمت' شرم و حیا اور دیگر اخلاقی اقدار اپنی معنویت کھو دیتے ہیں۔ امراض خبیثہ کی کثرت ہو جاتی ہے۔ مرد و زن کا اختلاط کسی حد پر نہیں رکتا بلکہ مستقل آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ معاشرے کے سامنے اپنی جنسی ہوس کی تسکین کے سوا کوئی اور مقصد باقی نہیں رہ جاتا۔ اس حد پر پہنچ جانے کے بعد کوئی نظام تمدن زیادہ دنوں تک اپنے وجود کو باقی نہیں رکھ سکتا بلکہ اپنی بقا کا استحقاق کھو دیتا ہے اور اس کا قصر عظمت جلد ہی زمین بوس ہو کر آیندہ اقوام کے لیے فسانہ عبرت بن جاتا ہے۔

ان وجوہ کی بنا پر اسلام نے خاندان کی سربراہی کا بوجھ مرد پر ڈالا ہے جو فطرت انسانی سے پوری طرح ہم آہنگ ہے۔ مرد اور عورت دونوں صنفوں کی فطرت کی پوری رعایت ملحوظ رکھتے ہوئے دونوں کے حقوق اور ذمہ داریاں اس طرح متعین کر دی ہیں کہ کسی کو کسی پر ظلم کرنے یا اس کا استحصال کرنے کا موقع نہ ملے اور انسانی معاشرہ صحیح سمت میں اپنے ارتقا کا سفر جاری رکھ سکے۔

محترم خرم مراد کی وصیت' آیندہ شمارے میں

محترم خرم مراد نے اپنی اولاد کے لیے جو وصیت تحریر کی' اس میں انھیں اس کی عام اشاعت کا اختیار بھی دیا ہے۔ یہ وصیت ایک غیر معمولی دستاویز ہے۔ ان کی اولاد کی طرف سے اسے "ترجمان القرآن" میں شائع کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ آپ اسے آیندہ شمارے (مارچ ۹۷) میں ملاحظہ فرمایئے۔

مصری معیشت کی تباہی میں
آئی ایم ایف اور ورلڈ بنک کا کردار

ڈاکٹر تسنیم ابراہیم
ترجمہ و تلخیص: محمد ظہیرالدین بھٹی

ترقی پذیر خصوصاً مسلم ممالک کی معیشت میں آئی ایم ایف اور ورلڈ بنک جیسے اداروں کا کردار مطالعے کا بہت اچھا موضوع ہے۔ پاکستان میں بھی یہ بات ہر ایک کی زبان پر ہے کہ ان اداروں کے نمایندے ہی ہمارا بجٹ بناتے ہیں اور ہماری حکومت ان کی ہر ہدایت پر عمل کرتی ہے۔ کہا جانے لگا ہے کہ مغربی طاقتوں نے اس طرح ہمیں دوبارہ غلام بنا لیا ہے' خود مختاری اور آزادی صرف نام کی اور دکھاوے کی ہے۔ ہم رسالہ المجتمع شمارہ نمبر ۱۲۱۶ ستمبر ۹۶ سے کیلی فورنیا یونی ورسٹی کے پروفیسر' ڈاکٹر تسنیم ابراہیم کے ایک مقالے کا ترجمہ پیش کر رہے ہیں جس میں انھوں نے اس حوالے سے مصر کا مطالعہ کیا ہے۔ ضرورت ہے کہ کوئی محب وطن پاکستانی ماہر معاشیات' پاکستان کے حوالے سے بھی تحقیقی مطالعہ پیش کرے۔ (مدیر)

ماضی میں امریکہ کا ایک بھرم قائم تھا۔ اسے مہربان اور نجات دہندہ سمجھا جاتا تھا مگر اب اس کا یہ بھرم ختم ہو چکا ہے۔ کیونکہ اس نے اقوام متحدہ کے مالی اداروں کے ذریعے تمام ترقی پذیر ممالک میں قرضے کے جال پھیلا دیے ہیں۔ آئی ایم ایف اور ورلڈ بنک دونوں ادارے ۱۹۴۴ میں قائم ہوئے۔ واشنگٹن میں ان دونوں کے صدر دفاتر ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ ایک ہی جیسی دو الگ الگ عمارتوں میں واقع ہیں۔ ان دونوں کے مابین کئی سطحوں پر رابطے ہیں۔ ان کی مجالس انتظامیہ کے اجلاس یکے بعد دیگرے ہوتے ہیں تاکہ بوقت ضرورت' مخصوص افسران دونوں اجلاسوں میں شریک ہو سکیں۔

انصاف پسند تجزیہ نگاروں نے آئی ایم ایف اور ورلڈ بنک دونوں کو خطرناک ادارے قرار دیا ہے۔ چیرل پیئر (Cheryl Payer) نے اپنے مقالے The Debt Trap and the Third World (Monthly Review Press, New York) میں نہایت تفصیل سے واضح کیا ہے کہ امیر ممالک

کس طرح قرضوں کا جال پھیلاتے ہیں۔ وہ لکھتی ہے:

"یہاں کے کرتا دھرتا اپنے آپ کو عقل کل سمجھتے ہیں۔ ان اداروں کے پاس دوسرے ممالک کی معیشت کے بارے میں ایسی خفیہ معلومات ہوتی ہیں جن سے کوئی اور آگاہ نہیں ہو سکتا۔ یہ دونوں ادارے مشترکہ رسالے اور مطبوعات شائع کرتے ہیں تاکہ اپنے فلسفے اور منصوبوں کو رائج کر سکیں۔ چھوٹے ممالک پر مسلط کردہ قرضوں نے امریکہ کو "دنیا کو قرض دینے والی" سب سے بڑی مملکت بنا دیا ہے۔ آئی ایم ایف کے قرضے اور امداد ان ممالک کے لیے نہیں ہیں جو اس کے ضابطوں پر عمل پیرا ہونے کا اچھا ریکارڈ رکھتے ہیں یا جنھیں ان کی احتیاج ہے"۔ (ص ۲۵)

قرض لینے والے ممالک کو پابند کیا جاتا ہے کہ وہ لیے گئے قرضوں کی واپسی کے لیے آئی ایم ایف کے لائحہ عمل پر سختی سے عمل کریں۔ اس لائحہ عمل پر عمل درآمد ہی واپسی کی ادائیگیوں کے لیے مہلت دینے کی بنیاد بنتا ہے۔ یہ کوئی ٹھوس اور حقیقی منفعت بخش لائحہ عمل نہیں ہوتا بلکہ اس پر عمل کرنے سے الٹا قرضوں میں اضافہ ہی ہوتا ہے۔ ماہرین جب آئی ایم ایف کی پالیسی پر تنقید کرتے ہیں تو آئی ایم ایف اس کا ذمہ دار ان رکاوٹوں کو قرار دیتا ہے جن کی وجہ سے اس کے طے کردہ لائحہ عمل پر چلنے میں ناکامی ہوئی۔

ترقی پذیر ممالک پر آئی ایم ایف کی مکمل گرفت ہے۔ یہاں پر اسی کا حکم چلتا ہے۔ وہ متعلقہ ملک کی حکومت کی مداخلت کو عملاً روک دیتا ہے۔ وہ کسی بھی ترقی پذیر ملک کی طرف سے قرضوں کے طوق اتارنے اور اپنی کمزور معیشت کے احیا کی کسی حقیقی کوشش کو ناکام بنا دیتا ہے۔ اپنے ملک کو اقتصادی لحاظ سے مضبوط کرنے، اشیاے ضرورت کی بہم رسانی اور ملکی مصنوعات کے فروغ کی کوشش کو ایک قسم کی "گڑبڑ" اور "عیب" سمجھا جاتا ہے۔ (ص ۲۵)

اشیا کی قیمتیں مقرر کرنے میں، آئی ایم ایف، فائنل اتھارٹی ہے۔ وہ متعلقہ ممالک کے زیر اثر ہونے والی آزاد تجارت کو بھی مفلوج کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ کرنسی کے نرخوں کی کمی بیشی پر عائد کی جانے والی پابندیوں کے بھی خلاف ہے۔ وہ ادائیگی کے شیڈول کو درست کرنے کی خاطر کی جانے والی غیر مستقل قیمتوں کا بھی مخالف ہے۔ (ص ۲۴)

آئی ایم ایف کی پالیسی کی بنیاد یہ محسوس ہوتی ہے کہ ضرورت مند ملکوں کو محتاج تر بنایا جائے۔ یہ سخت شرائط، سیاسی دخل اندازی اور ملکی اقتصادیات اور ترقی کے خلاف اقدامات کی پالیسی کی شہرت رکھتا ہے۔ (ص ۴۶)

آئی ایم ایف کے نمایندے، امداد دینے سے کچھ روز پہلے، واشنگٹن سے، دستخط کرنے کی تقریب میں شمولیت کے لیے، قرض لینے والے ملک جاتے ہیں۔ آئی ایم ایف مقروض ملکوں کی حکومت کو درآمدات و

برآمدات کے بارے میں پابند کر دیتا ہے۔ غیر ملکی بنک سے معاملہ کرنے والے اس ملک کے لیے ممکن نہیں رہتا کہ وہ مستقبل کے متوقع بحرانوں کے لیے کسی چیز کا ذخیرہ کر سکے۔ وہ اسے مجبور کرتا ہے کہ وہ ملکی مصنوعات و پیداوار پر زیادہ سے زیادہ ٹیکس عائد کرے۔ وہ اسے ضروری اشیا کے subsidy اٹھانے کے لیے کہتا ہے۔ غیر ملکی سرمایہ کاری کا وسیع پیمانے پر خیر مقدم کرنے کی شرط لگاتا ہے۔ آئی ایم ایف ملکی اشیا کے نرخوں کی سطح بلند کرنے پر زور دیتا ہے تاکہ غیر ملکی وسیع درآمدات کی راہ ہموار ہو سکے۔ وہ اجرتوں اور تنخواہوں کے بڑھانے پر کنٹرول عائد کرنے پر اصرار کرتا ہے۔ یہ ہیں آئی ایم ایف کی سنگدلانہ شرائط میں سے کچھ نمایاں شرطیں۔ (ص ۲۵)

۱۹۹۳ سے پہلے مصر، عالمی بنک کا صرف ۶۰ ملین ڈالر کا مقروض تھا۔ ۱۹۷۴ میں، مصر نے انور السادات کے دور میں ۲۲۷ ملین ڈالر کا قرض لیا۔ پھر ۱۹۷۴ اور ۱۹۷۵ میں ۲۲۲ ملین ڈالر کا ایک اور قرضہ لیا۔ ۱۹۷۶ اور ۱۹۷۷ میں ۲۶۷ ملین ڈالر کا مزید قرضہ لیا۔ اس طرح حکومت مصر نے اپنے اوپر ۴۹ بلین ڈالر قرضوں کا بوجھ لاد لیا۔ یہ سب اخراجات میں اسراف کا اور اس اصل زر سے راہ فرار کا نتیجہ تھا جسے ۱۹۸۱ کے سال سے پہلے "اوپن ڈور" کی پالیسی نے کھینچا تھا۔ یوں مصر ۸۰ کے عشرے کے نصف تک قرضے لیتا رہا۔ البتہ مصر کو جنگ خلیج میں حصہ لینے پر مجبور کرنے کے صلے میں ۲۹ بلین ڈالر کی چھوٹ دی گئی۔

گندم کے بارے میں سازش

مصر اپنی ۵۷ ملین آبادی کے لیے اپنی گندم کی پیداوار پر بہت انحصار کرتا رہا ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ اس نے اپنی اقتصادی آزادی کے دور میں کبھی گندم درآمد کی ہو۔ مگر یہ حالت اچانک بدلی کیسے؟

۸۰ کے عشرے کے آغاز میں امریکہ نے حکومت مصر کے ساتھ یہ معاہدے کیے: ۱۔ زرعی تحقیقی منصوبہ، ۲۔ قاہرہ کو پانی کی سپلائی، ۳۔ نظام آبپاشی اور ۴۔ مقامی ترقی کا پروگرام۔ زرعی سامان تجارت کو "اجناس برائے ترقی" کے نام سے پیش کیا گیا۔ ۱۹۸۲ میں ایک معاہدے پر دستخط ہوئے تاکہ ۳ لاکھ ۸۵ ہزار ڈالر کی گندم مصر میں لائی جا سکے۔ اس معاہدے کی شرائط کی رو سے پیداوار اور اس کے ذخیرہ کرنے کو بہتر بنانے کے لیے کاشتکاروں کو امداد دی جائے گی۔ مقامی پیداوار کی حوصلہ شکنی میں کمی کی جائے گی، تحقیق کے نتائج عام کیے جائیں گے اور "موجودہ" اور "سابقہ" زیر کاشت اراضی کی حالت بہتر بنائی جائے گی نیز دیگر نئی اراضی کو قابل کاشت بنایا جائے گا۔ اس کے ساتھ امریکہ نے یہ شرط بھی لگائی کہ وہ مصر کے زراعت پر مبنی صنعتی اور تجارتی امور میں مداخلت کرتا رہے گا۔ ۱۹۸۹ میں معلوم ہوا کہ مصر گندم اور آٹا درآمد کرنے والا تیسرا بڑا ملک ہے۔ اس کے بعد تو مصر، امریکہ کی گندم کا سب سے بڑا خریدار بن گیا۔

مصر کے سابق وزیر آبپاشی نے اس بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا: "امریکہ نے مصر

کو پابند کیا ہے کہ وہ گندم کی پیداوار میں اضافہ نہ کرے"۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل میں' ایک گاؤں میں' ایک ماہ سے زیادہ مدت کے لیے پانی بند کر دیا گیا جس کے نتیجے میں گندم کی فصل کے ہزاروں ایکڑ کھیت تباہ ہو گئے۔ ایک اور گاؤں کی زمینوں میں پانی چھوڑ دیا گیا۔ اس سے زبردست نقصان ہوا۔ ایک اور گاؤں کی زمینوں میں تربوز کاشت کروائے گئے جس سے ان اراضی کی زرخیز مٹی' گندم کی کاشت کے قابل نہ رہی۔ اسی طرح برآمد کردہ بیجوں سے ایسے کیڑے اور بیماریاں پیدا ہوئیں جن پر قابو پانا دشوار ہو گیا۔ اس سے چھوٹے کاشتکاروں کو خطرناک مالی بحرانوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ پیشگی منصوبہ بندی کے بغیر نہیں ہوا۔ آج کل مصر' امریکہ سے ۴۵۰ ہزار ٹن گندم منگواتا ہے۔ صرف ۱۹۹۴ میں ایک ملین ٹن سے زائد گندم درآمد کی گئی۔(۱)

ان رپورٹوں کو دیکھ کر آدمی یہ پوچھنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ مشترکہ تحقیق کے منصوبوں کا نتیجہ کیا نکلا؟ مصری زرعی اراضی کا استحصال کس حد تک کیا گیا؟ اور کس حد تک زرخیز اور قابل کاشت بنایا گیا؟ اس سلسلے میں کتنی ادائیگیاں ہوئیں؟

"مصری زرعی رقبوں' زرعی صنعت اور زرعی تجارت پر امریکی کنٹرول اور اس پر امریکہ کی سرمایہ کاری نے بالآخر مصر کو متوقع بحرانوں تک پہنچا ہی دیا۔ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت زراعت سے متعلق قرضوں میں اضافہ کیا گیا تاکہ اس طرح مصریوں کو اس مصیبت میں پھنسا کر انھیں آسانی سے زیر کیا جاسکے۔ (الشعب ۲۳ اپریل ۹۶) اب مصر دنیا کے گندم درآمد کرنے والے ممالک میں تیسرے نمبر پر ہے۔ وہ "دی گیٹ" کے سمجھوتے میں گندم کے نرخوں میں اضافہ ہونے کے باوجود ۶ ملین ٹن گندم درآمد کرتا ہے۔ اس سمجھوتے کی رو سے ایک ٹن گندم کی قیمت ۲۲۰ ڈالر مقرر کی گئی ہے۔ (الشعب' ۲۸ مارچ ۹۶) گندم کی پیداوار میں مصر کو یوں ناکام بنا دینے کا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنے موجودہ اور آیندہ جمع شدہ قرضوں کو واپس کرنے میں بے بس رہے۔ اور اس طرح امریکی استعماری خواہشات کا تابع بن کر رہنے پر مجبور ہو جائے۔

مصری اپنے یومیہ ناشتے میں لوبیا پر انحصار کرنے میں مشہور ہیں۔ وہ لوبیا کی پیداوار اور اسے برآمد کرنے میں اپنی برتری میں بھی مشہور تھے مگر گندم کی خراب کاشت کے نتیجے میں ۱۹۹۴ میں جنم لینے والے کیڑے مکوڑوں نے لوبیا کی پیداوار کو بھی تہس نہس کر دیا۔ انھیں ختم کرنے کے لیے' درآمد کردہ کیڑے مار دواؤں سے ۳۵۰ ہزار ایکڑ زمین پر بوئی جانے والی لوبیا کی فصل تباہ ہو گئی۔

یہ سب کچھ باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت کیا گیا تاکہ مقامی پیداوار میں کمی واقع ہو اور امریکہ سے "زرعی تجارت" کو فروغ ملے۔ کچھ عرصہ پہلے امریکہ نے مصر کو ایک تعلیمی وظیفہ دیا مگر ساتھ ہی تین ملین ڈالر کی رقم' امریکہ سے زرعی ریسرچ میں ڈاکٹریٹ کرنے پر خرچ کرنے کی شرط عائد کی۔ ایک بلین ڈالر'

آیندہ پانچ برسوں میں زرعی منصوبوں پر خرچ کرنے کے لیے کہا گیا جس کا ۷ فی صد سودی منافع امریکہ کے مفاد میں خرچ ہو گا۔ (الشعب، ۲۱ اپریل ۹۶)

کپاس کے بارے میں سازش

مصر گذشتہ دور میں، طویل ریشے کی کپاس کی پیداوار میں سرفہرست ہونے کی بنا پر دنیا بھر میں مشہور رہا ہے۔ وہ کپاس کی پیداوار اور اس کی تجارت کرنے والے کامیاب ترین ممالک میں سے ایک تھا۔ ۱۹۷۹ اور ۱۹۸۱ کے دوران، امریکہ اور حکومت مصر کے مابین ہونے والے معاہدے میں مصر کو مجبور کیا گیا کہ وہ باہمی خیرسگالی کی خاطر، اچھے بیج اور کھاد استعمال کرے، اور حصول پیداوار کے طریقوں میں تبدیلی کے ذریعے موجودہ زیر کاشت اراضی کو استعمال کرے۔ اس کے ساتھ ہی اس معاہدے میں دور افتادہ غیر کاشت اراضی میں تجرباتی منصوبوں کی حوصلہ افزائی کرنے کا عزم ظاہر کیا گیا تھا۔(۲)

مصر کو مجبور ہونا پڑا کہ وہ امریکی کپاس "پیما" کے بیج استعمال کرے۔ یہ کپاس اری زونا، کیلی فورنیا، نیو میکسی کو اور ٹکساس میں کاشت کی جاتی ہے۔ یہ بیج مصر نے خریدے اور انھیں لمبے ریشے کی اصلی مصری کپاس کے بیجوں سے ملا کر کاشت کیا تاکہ ۸۰ کے عشرے میں زیادہ پیداوار حاصل کی جا سکے۔ مگر ان تجربات نے مصری کپاس کی فصل، کپاس کی صنعت اور اس کی تجارت کو مکمل طور پر تباہ کر دیا۔ کیونکہ یہ درآمد کردہ بیج اپنے ساتھ امریکی کیڑے، سنڈیاں اور پھپھوندی بھی لائے۔ پھر ان بیجوں کو غیر مناسب آب و ہوا اور ناسازگار ماحول کا سامنا تھا۔

قاہرہ کے امریکی سفارت خانے کی ایک رپورٹ میں بتایا گیا ہے: "مصر جو دنیا بھر میں نہایت اعلیٰ درجے کی کپاس پیدا کرتا تھا وہ مسلسل تین سال سے خسارے میں مبتلا ہے۔ حکومت مصر کپاس نیز چاول اور گنے کے سلسلے میں جبری تقاضوں کی تعمیل کرتی چلی آ رہی ہے۔ کپاس کا بحران اتنا شدید ہو گیا ہے کہ اب مصر نے امریکہ سے چھوٹے ریشے کی ۱۹ ہزار ۶ سو ٹن کپاس، ۵۰۰ ملین ڈالر کے نقصان پر درآمد کی ہے۔ ادھر کتائی اور بنائی کی کمپنیوں نے مصری کپاس خریدنے سے انکار کر دیا ہے۔ وہ امریکی کپاس خریدنے کو ترجیح دے رہی ہیں کیونکہ وہ سستی ہے"۔(۳)

یہ ہے زرعی اصلاح کا وہ منصوبہ جس کا ہدف زرعی اراضی کو خراب کرنا اور ہر سطح پر مصری فصلوں کی پیداوار پر ضرب کاری لگانا ہے۔ اب یہ بات کسی سے بھی مخفی نہیں رہی۔

مزید برآں امریکہ نے کپاس کے مصری کارخانوں کے خلاف سازش کی۔ ماضی میں، امریکہ کی رسائی، مصری کپاس کی کتائی کی عملی تیاری کی منڈی، تک نہیں تھی۔ مگر اب نوے کی دہائی میں، امریکہ نے کپاس کی صنعت کی عالمی منڈی پر قبضہ کرنے کا منصوبہ بنایا ہے۔ اس نے پہلے مصریوں کو اس بات پر مجبور کیا کہ وہ اپنی

فیکٹریوں میں لمبے ریشے کے بجائے چھوٹے ریشے کی کپاس کی کتائی کے لیے تبدیلی کریں۔ ۱۹۹۱ کی مارکیٹ رپورٹوں کے مطابق، امریکہ نے مصر کو ۱۰۰ ملین ڈالر کا ایک مشروط عطیہ دیا تاکہ وہ اپنی کتائی اور بنائی کی تین بڑی کمپنیوں کی فیکٹریوں میں تبدیلی کا عمل کرے۔ یہ کمپنیاں ہیں۔ مصر المحلۃ، مصر للغزل، اور مصر البیضاء

اب مصر کا شمار، امریکہ سے زیادہ امداد حاصل کرنے والے ممالک میں ہونے لگا ہے۔ امریکہ اسے "ایڈ" کہتا ہے۔ یہ اصطلاح، قوت مدافعت کے فقدان کے مرض کی نشاندہی کرتی ہے۔

۱۹۹۰ میں امریکہ نے ۳۰۰ ملین ڈالر کی رقم مشینری اور دیگر سازوسامان کی درآمد کے لیے مقرر کی۔ جب کہ ۱۰۰ ملین ڈالر امریکی وزارت زراعت کے پروگراموں کی خاطر مختص کی۔ مصر اب اپنی غذائی ضروریات کا ۴۰ فی صد درآمد کرتا ہے۔

امریکہ اور صیہونیوں نے پورے علاقے کے غذائی امن کو تہہ و بالا کرنے کا منصوبہ تیار کیا ہے۔ عرب علاقے کے آبی ذرائع میں مداخلت، پانی کی تقسیم اور اجناس کی متعین اقسام کی کاشت کو مسلط کرنے سے یہ منصوبہ پایہ تکمیل کو پہنچے گا۔ "امریکہ اور اسرائیل"، "مطلوب غذاؤں" کو برآمد کرنے میں اپنی مرضی مسلط کریں گے۔ اس سلسلہ میں جے۔اے الن لکھتا ہے:

"مصر ان ممالک میں سے ایک ہے جن کے لیے ضروری ہو گیا ہے کہ یا تو وہ اپنے سکے کی قیمت کو مستحکم کریں یا پھر اپنی غذائی قلت والی معیشت کو سہارا دینے کی خاطر، دیگر ممالک سے غذا کی خریداری پر اپنے قیمتی سرمایے کو خرچ کرنے کا تلخ عمل سرانجام دیں۔(۴)

ملک کو خوش حالی اور امن عطا کرنے کے دل کش نعرے سے کام لے کر، امریکہ نے مصر اور اسی طرح کے کئی دیگر ممالک کی جو اقتصادی حالت کر دی ہے اس کی وجہ سے امریکہ کی غذائی پالیسی کو سخت تنقید کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ دنیا کی واحد سپرپاور کی طرف سے محض اپنی "آزاد" تجارت کی اغراض کی خاطر، مصری اقتصادیات کو تباہ کرنے کے عمل نے امریکہ اور ترقی پذیر ممالک میں فاصلے مزید بڑھا دیے ہیں۔ جب کہ اس کے مقابلے میں دیگر ترقی یافتہ ممالک مثلاً جاپان، "بنیادی غذاؤں میں خود کفالت" پر انحصار کے ذریعے، پیداوار میں اضافہ کرنے کو اہمیت دیتے ہیں۔ زراعت میں مدد دیتے ہوئے ان کے سامنے، امریکہ کی طرح، "پیداوار برائے تجارت" کا مقصد نہیں ہوتا۔ جنوبی کوریا، آسٹریا، سوئٹزرلینڈ اور اسکنڈے نیویا کے ممالک بھی جاپان کا سا طرز عمل اختیار کرتے ہیں۔

امریکہ نے اپنی "آزاد" تجارتی پالیسی کو اس طرح چلایا کہ بحران پیدا ہوں اور وہ ان سے فائدہ اٹھا سکے۔ اس نے اپنا قبضہ پختہ کرنے کے لیے، مالی دباؤ کے ذریعے مزید ذخیرہ اندوزی کی مذموم کوشش بھی کی۔ امریکہ،

بین الاقوامی مالیاتی فنڈ اور عالمی بینک تینوں طاقتوں نے کچھ عرصہ پہلے، مصری قرضوں کے نظام الاوقات کے بارے میں یہ شرط عائد کی کہ مصر، قرضوں کے شیڈول پر نظرثانی کے پروگرام کی تعمیل کرے۔

مصر کو آمادہ اطاعت کرنے کے لیے "امداد" بطور رشوت استعمال کی اور اسے "اصلاحی پروگرام" کا نام دیا۔ ان کی ایک رپورٹ میں، اس مدد کو رشوت کے طور پر استعمال کرنے کا بڑی ڈھٹائی سے اعلان کیا گیا ہے۔ "قرضوں اور اس کے شیڈول میں تخفیف سے کچھ پابندیاں عائد ہوں گی"۔ یہ پولینڈ کے ساتھ کیے گئے سودے اور معاملے کے بالکل الٹ ہے۔ مصر کی اقتصادی زبوں حالی پر تبصرہ کرتے ہوئے پیرس کلب نے مطالبہ کیا ہے کہ اقتصادیات کو مکمل آزاد کیا جائے۔ اوسط منافع کے راہ کی رکاوٹوں کا ازالہ کیا جائے۔ فروخت کردہ اشیا پر ٹیکس لگایا جائے، خصوصی سرمایہ کاری کے لیے اقتصادی سیکٹروں کو کھلا رکھا جائے۔

رفاہ عامہ کے اداروں کی تحلیل

مصر کی زرعی پیداوار اور اس کی تجارت پر ضرب کاری لگانے کے بعد، امداد دینے والوں نے مصری رفاہ عامہ کے اداروں کو ختم کرنے کی تدبیر کی۔ امریکی امداد ۱۱۵ ملین ڈالر سے ۲۰۰ ملین ڈالر بڑھانے کا اصل مقصد یہ تھا کہ اس طرح مصر امریکی پیداوار اور اس کا خام مال خریدے۔ امریکہ نے مصر کو اس بات سے روک دیا کہ وہ اس رقم کا کچھ حصہ ہسپتالوں کی تعمیر و ترقی پر خرچ کرے۔ اس نے یہ شرط عائد کی کہ پہلے عام ہسپتالوں کو خاص ہسپتالوں میں تبدیل کیا جائے۔ زیریں ڈھانچے میں اصلاح کی خاطر ۳۰۰ ملین ڈالر مالیت کے قرض کو جولائی ۱۹۹۱ سے ۱۹۹۳ تک موخر کر دیا گیا، ایسا مصر کو ایک طرح کی سزا دینے کے لیے کیا گیا کہ اس نے آئی ایم ایف کی شرط کے مطابق، رفاہ عامہ کے منصوبوں میں سرمایہ کاری میں کیوں تاخیر نہ کی۔(۵)

امریکہ، مصری رفاہ عامہ کے نظام کو اپنے فلسفہ آزادی کے راستے میں ایک بڑی رکاوٹ سمجھتا ہے۔ اس لیے کہ یہ مصری نظام اپنے کم آمدنی والے شہریوں کی خدمت ـــــ اشیا کی قیمتوں میں کمی اور ملازمین کی ملازمتوں میں کافی حد تک توسیع کے ذریعے کرتا ہے۔ جب حکومت مصر نے سرکاری ملازمین کی تنخواہوں اور الاؤنسوں میں اضافہ کیا تو آئی ایم ایف نے اس کو سخت ناپسند کیا۔ اس نے ٹیکسوں میں اضافے کا مطالبہ کیا۔ مصر نے آئی ایم ایف کی پالیسیوں کے سامنے سرتسلیم خم کرتے ہوئے، مئی اور دسمبر ۱۹۹۱ میں دو بار پٹرول اور بجلی کی قیمتوں میں مجبوراً اضافہ کیا نیز اپنے شہریوں کی آمدنی میں ۲۷ فی صد کی کمی کی۔ اس دوران ملازمتوں کو ختم کرنے سے، ملازمین کی ایک بڑی تعداد، اپنی ملازمتوں سے ہاتھ دھو بیٹھی۔ اس کے بعد امریکہ نے، جس کی لاٹھی اس کی بھینس کی پالیسی جاری رکھتے ہوئے، مصری رفاہ عامہ کے اداروں کے ۵۰ فی صد حصص کو قانونی ترامیم کے ذریعے اپنی ملکیت میں لینے کی کوشش کی۔

ہم دیکھتے ہیں کہ اقتصادی رپورٹوں میں آئی ایم ایف کے مخصوص منصوبوں کے حق میں زور و شور سے

پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے۔ اس کا مقصد ان منصوبوں کو قانونی رنگ دینا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ۱۹۹۱ کی رپورٹوں میں یہ شکایت کی گئی ہے کہ "۸۵ فی صد مصری صنعت حکومت کی ملکیت ہے"۔ ان رپورٹوں میں یہ ترغیب دی گئی ہے کہ اس نوعیت کی ۳۵۰ کمپنیوں کے ۴۹٪ حصص کو سٹاک مارکیٹ میں فروخت کر دیا جائے۔ یہ پبلک ویلفیئر کمپنیوں کے جدید قانون کے مطابق ہو گا۔(۶) چنانچہ مصر کی وزارت زراعت نے رفاہ عامہ کے اداروں کی ملکیت ایک ملین ایکڑ اراضی یا تو فروخت کر دی ہے یا اسے فروخت کرنے کا بندوبست مکمل کر لیا ہے۔

آج کل وزارت صحت' پبلک ہسپتالوں میں سرمایہ کاری کے درپے ہے۔ مصر کو' ان ہسپتالوں میں سرمایہ کاری کو سہل بنانے کے لیے تبدیلیاں کرنے پر مجبور کر دیا گیا ہے۔ اسے کہا گیا ہے کہ وہ "مخصوص سرمایہ کاری کے راستے میں حائل تمام رکاوٹیں" دور کرے۔ چنانچہ مصر نے غیر ملکی سرمایہ کاری کے خاص قانون نمبر شمار ۴۳ بابت ۱۹۷۴ میں تبدیلیاں کیں تاکہ غیر ملکیوں کے لیے سرمایہ کاری میں سہولت ہو۔ اقتصادی رپورٹوں میں--- دواؤں کی قیمتوں کے کنٹرول پر حملہ کیا جا رہا ہے۔ کیونکہ اس کنٹرول کو "امریکہ کی دوا ساز فیکٹریوں کے لیے نقصان دہ" سمجھا جا رہا ہے۔(۷) حالانکہ امر واقعہ یہ ہے سرکاری جنرل ہسپتال--- اپنے قدرے پست معیار کے باوجود--- غریبوں کے لیے عمدہ خدمات مہیا کرتے ہیں۔ ان رپورٹوں میں اس بات کا بھی مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ زیادہ "آزادی" اور زیادہ غیر ملکی تسلط کی خاطر' ضابطہ کی کارروائیوں کو ختم کر دیا جائے۔

مصری پٹرول بھی بتدریج بین الاقوامی "آزادی" کی جانب بڑھ رہا ہے۔ کتائی بنائی کے کارخانوں نیز لوہے اور فولاد کے کارخانوں کو بھی غیر ملکی خطرہ درپیش ہے۔ اس صورت حال نے ایک ملین مصری کارکنوں کو غضبناک کر دیا ہے۔ ان کی روزانہ کی روزی کو بھی خطرے کا سامنا ہے۔ بنکوں' تجارتی کمپنیوں اور اخبارات سمیت ہر چیز کا وہی حشر ہونے والا ہے جو مصری رفاہ عامہ کے نظام کا ہوا ہے۔ اب تو ملکی تجارتی مراکز کو فروخت کرنے کے لیے پیش کیا جا رہا ہے جیسے شکوریل' صیدناوی اور عمر افندی۔ اسی طرح ۴۱ غذائی اور تعمیراتی کمپنیوں اور ۴۳ ہوٹلوں کو بھی بیچا جا رہا ہے۔ حساس اہمیت کی حامل کمپنیوں (جیسے المونیم) کے سرمایہ کا ۴۰ فی صد بھی فروخت کیا جا رہا ہے۔

ہوش ربا بات یہ ہے کہ قرضوں کا یہ اندھا کنواں گہرے سے گہرا ہوتا چلا جا رہا ہے۔ قرضوں کا جال پھیلانے والوں نے صورت حال کو نہایت گمبھیر اور پریشان کن بنا دیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی مصری شہری کو اپنی روزانہ کی روزی اور روٹی کی فکر و تلاش میں منہمک کر کے پوری مصری قوم کو عزت نفس' قومی خودداری اور ملی وقار سے تہی دامن کرنے کی بھیانک سازش مکمل ہو چکی ہے۔

ترقی پذیر ممالک کے ساتھ امریکی رویہ، کیا یہی جمہوریت ہے؟ کیا یہی مزدوروں اور کسانوں کے حقوق کی پاسداری ہے؟ کیا امریکی عوام صرف یہ نعرے سنتے ہیں؟ کیا امریکی قوم اپنے حکمرانوں کے اس منافقانہ طرز عمل سے بے خبر ہے جس کے نتیجے میں فرزندان مصر کی زندگیوں کو خطرہ لاحق ہے؟ کیا یہی ہے وہ "امن و سلامتی" جس کا وہ ڈھنڈورا پیٹتے ہیں؟ یہ "امن و سلامتی" تو ذلیل و رسوا کرنے، مفلس بنانے اور آقاؤں کے سامنے جھکانے کی زنجیروں سے جکڑی ہوئی ہے۔ کیا یہ اعداد و شمار آئی ایم ایف، ورلڈ بنک اور ان دونوں کے پشت پناہ امریکہ کے عزائم کو بدل نہیں سکتے؟ امریکہ ان اداروں کو یوں چلا رہا ہے جیسے وہ اس اقتصادی جنگ کے ہر مرحلے میں، مصری انسانوں کے خون کا آخری قطرہ تک نچوڑ لینا چاہتا ہے۔ یوں امریکہ نے مشروط مدد کی منصوبہ بندی کر کے اور ورلڈ بنک کے ذریعے دباؤ ڈال کر مصری اقتصادیات پر کاری ضرب لگائی ہے تاکہ وہ اقتصادی منافع اور اس کے ساتھ مربوط دیگر سیاسی، عسکری اور جنگی حکمت عملی کے مفادات حاصل کر سکے۔

النقب اور سینا میں امریکی اسرائیلی حکمت عملی

میدان زراعت میں مصریوں کی مہارت اور تجربہ ہزاروں سالوں پر پھیلا ہونے کے باوجود، مصر کے وزیر زراعت اسرائیل کو یہ موقع فراہم کر رہے ہیں کہ وہ "سدھار" کے نام پر، سرزمین مصر کی مٹی اور زراعت کو خراب و برباد کرے"۔

امریکہ نے حکومت مصر کو اس بات پر مجبور کر دیا کہ وہ مصری کپاس کے بیجوں کا امریکی اور اسرائیلی بیجوں سے تبادلہ کرے۔ اب صیہونی ریاست، کپاس پیدا کرنے والے ممالک میں سب سے آگے ہے۔ پہلے یہ مقام مصر کو حاصل تھا مگر اب وہ اس سے محروم ہو چکا ہے۔ اس کی کپاس کی برآمد بھی ختم ہو چکی ہے۔ ادھر سینا اور النقب میں زرعی منصوبے شروع کیے گئے ہیں۔ پانی پر کنٹرول کے لیے مصر پر دباؤ ڈالا جا رہا ہے۔ سیاحت کے نام پر وادی سینا میں غیر ملکیوں کا داخلہ عام ہو چکا ہے۔ ہمیں یہ بات نظرانداز نہیں کرنی چاہیے کہ صیہونی، مصری سرحدوں کے اندر ۸۵ قسم کے بیج اور ایسی کھاد بھیجنے میں کامیاب ہو چکے ہیں جن میں ضرر رساں ہارمون کی آمیزش کی گئی ہے۔ مزید برآں وہ ۸۰ قسم کی ایسی زہریلی کیڑے مار دوائیں بھی مصر کے اندر لا چکے ہیں جن کا استعمال بین الاقوامی طور پر ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ یہ بیج، کھادیں اور کیڑے مار دوائیں انتہائی زرخیز زرعی علاقوں میں استعمال ہوئیں۔ جس کے نتیجے میں آڑو اور ٹماٹر کی پیداوار بری طرح تباہی سے دوچار ہوئی۔

مقبوضہ فلسطین سے موصولہ رپورٹوں سے معلوم ہوا ہے کہ اسرائیل نے آبی وسائل و ذرائع کی پالیسی میں خود سری، استبداد اور تسلط کا انداز اختیار کیا ہے۔ اس نے فلسطینیوں سے سات گنا زیادہ اور متعلقہ

ممالک میں سے ہر ملک سے پانچ گنا زیادہ آبپاشی کے پانی کا استعمال کیا ہے۔(۸)

مصریوں کو' مخلوط مصری کپاس کی کاشت کے تجربات کے نتائج دکھانے کے بعد' اب انھیں یہ کہنا کہ وہ اسرائیلی تعاون کے ساتھ ہونے والی آبپاشی کے ثمرات کا بھی مشاہدہ کریں' کس قدر باعث شرم ہے۔ صیہونیوں نے النقب میں زرعی منصوبوں کو مستحکم بنانے کی خاطر "ترعۃ السلام" نامی نہر کے ذریعے نیل کے پانی پر انحصار کرنے کی اسکیم بنائی ہے۔ حکومت مصر پر' صیہونی مسلسل دباؤ ڈال رہے ہیں کہ وہ انھیں بحراحمر کے ساتھ نیز مطروح اور جنوبی سینا میں زرعی سرمایہ کاری کی اجازت دے۔ صیہونی سمندری پانی کو میٹھا کرنے کے منصوبوں میں بھی شریک ہونا چاہتے ہیں۔ اکتوبر ۱۹۹۵ میں عمان کے سربراہی سمجھوتے میں مصر کو دیے جانے والے قرضوں میں' اسے اس بات کا پابند کیا گیا تھا کہ وہ طابا میں ۲۰۰ ملین ڈالر کی رقم' پانی میٹھا کرنے کے پراجیکٹ پر خرچ کرے' ۳۰ ملین ڈالر کی رقم اس علاقے میں آبی تحقیقاتی مرکز بنانے پر خرچ کرے' عرب علاقے میں ۴۰ ملین ڈالر' پانی میٹھا کرنے کی ٹیکنالوجی کے پروگرام پر صرف کرے۔ بحرروم کے ممالک کے سیلابی پانیوں کے مسئلہ کو حل کرنے کے لیے ۳۸ ملین کی رقم خرچ کی جائے گی۔(۹)

کسی دور اندیشی' پیش بینی اور احتیاط سے کام لیے بغیر ہر سامراجی حکم کی تعمیل کہاں کی دانشمندی ہے؟ اسلامی اور عربی شناخت مسخ کی جا رہی ہے۔ مسلمان اور عرب عزت و وقار خطرے میں ہے۔ سینا میں العسلۃ اور دھب کے مصری ساحلوں پر سیاحوں کی آمد سے منشیات کا استعمال' ایڈز کی مہلک بیماری اور فحاشی و عریانی اپنے پورے عروج پر پہنچ چکی ہے۔

طابا کے راستے صیہونی اسرائیلی بلاروک ٹوک مصر میں داخل ہو رہے ہیں۔ یہ لوگ مصر میں ہر طرح کی تخریبی کارروائیوں میں ملوث ہو کر' مصری قومی سلامتی اور قومی اخلاقی تشخص کے لیے خطرہ ثابت ہو رہے ہیں۔ اسرائیلی' مصر میں داخلے کے وقت کسی قانون اور ضابطے کی پابندی نہیں کرتے۔ اس کے برعکس فلسطینیوں کو غزہ میں رفح کے کراسنگ پوائنٹ پر' مصر اور اسرائیل دونوں میں داخل ہوتے وقت غیر معمولی مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ صورت حال کس کے مفاد میں ہے؟ کیا مصر امن کی خاطر صیہونی حکمرانوں کے آگے یونہی گھٹنے ٹیکتا رہے گا؟ کیا مصری پسپائی کا راستہ اختیار کرتے رہیں گے؟

اس بحران سے کیسے نکلا جائے؟

ورلڈ بنک کی جابرانہ پالیسیوں کے نتیجے میں' مصر کا اقتصادی اور معاشرتی ڈھانچہ روبہ زوال ہے۔ مصر کو معاشی پست ترین حالت سے نکالنے کا واحد حل صرف اسلامی نظام پر عمل پیرا ہونا ہے۔ اس کے اہم نکات یہ ہیں:

۱۔ نظامِ زکوۃ قائم کیا جائے۔ ۲۔ خود اعتمادی پیدا کی جائے۔ خود انحصاری اور خود کفالتی کا طریقہ

اپنایا جائے۔ ۳۔ انفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر اسراف سے گریز کیا جائے۔ ۴۔ اسلامی اخلاق فاضلہ پر عمل کیا جائے۔ ۵۔ قومی سلامتی اور قومی وقار کا تحفظ کیا جائے۔ ۶۔ قومی ذرائع پیداوار پر اپنا مکمل کنٹرول ہو۔

اس سے اقتصادی اصلاحی انقلاب جنم لے گا۔ اسلام کی بنیادی اخلاقیات میں عمل کی ترغیب ہے۔ ایمان سے متعلق تمام آیات میں ایمان کو اعمال صالحہ سے مربوط کیا گیا ہے۔ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِي رَحْمَتِهِ (الجاثیہ ۴۵:۳۰)' پھر جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل (بھی) کیے تو ان کا رب انھیں اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔

مصر اسی صورت میں مستحکم ہو سکتا ہے جب قوم اپنے ملک کی ضروریات خود پیدا کرے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت اور اس کی رضا کی خاطر تمام سودی کاروبار' لین دین اور معاملات کالعدم قرار دے کر مالی اور بنکاری تنظیم کی تطہیر کرے۔ مصر کے اقتصادی بحران کا اسلامی حل اس امر کی ضمانت دے گا کہ امیر' امیر تر اور غریب' غریب تر نہ ہوں۔ اس سے اس اسلامی عرب علاقے کو حقیقی توازن اور سلامتی مہیا ہو گی۔ حقیقت یہ ہے کہ مصر کو اقتصادی اور سیاسی لحاظ سے استبدادی قوتوں کے سامنے اس طرح سرنگوں کر دینا' مصری زراعت و صنعت کو تباہ کر دینے کے بعد' اسے اس بات پر مجبور کرنا کہ وہ اپنے آپ کو غیر ملکی سامان اور مصنوعوں کی منڈی بنا لے جب کہ اس کے سر پر قرضوں کی مصیبت کا بوجھ بدستور قائم ہے' مصر کے حکمرانوں اور عوام دونوں کو ذلت سے دوچار کر دینا' یہ سب کچھ وہ ہے جسے نوم چانسکائی (Noam Chonsky) نے بین الاقوامی دہشت گردی (International Terrorism) کا نام دیا ہے۔ (۱۰)

۱۹۷۴ء میں پیئر نے کہا تھا: "آئی ایم ایف آج پوری دنیا کی سب سے بڑی حکمران قوت ہے۔ اس کے پاس جو اختیار و اقتدار ہے' اقوام متحدہ کے ارکان اس کا صرف خواب ہی دیکھ سکتے ہیں۔ اس لیے کہ آئی ایم ایف کو اپنے مقروض ممالک کے ذخائر سرمایہ اور ان کے داخلی معاملات میں مکمل اثر و رسوخ حاصل ہوتا ہے"۔ پیئر نے انڈونیشیا' برازیل' کمبوڈیا' ارجنٹائن' فلپائن' کولمبیا اور سری لنکا کی مثالیں دی ہیں۔ یہ ماہر معاشیات خاتون کہتی ہے: "ان حکومتوں کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ وہ آئی ایم ایف اور اس کے تباہ کن تقاضوں کا محتاج ہوئے بغیر اپنی اقتصادیات کو کیسے چلا سکتے ہیں؟" (ص ۲۷)

اللہ تعالیٰ نے کتنا سچ فرمایا ہے: "اور نہ تو یہودی تم سے راضی ہوں گے اور نہ عیسائی' تاوقتیکہ تم ان ہی کے مذہب کی پیروی نہ کرو۔ ان لوگوں سے کہہ دو کہ اللہ کی ہدایت ہی اصل ہدایت ہے۔ اور اگر اس کے بعد کہ تمھارے پاس علم آ چکا ہے تم ان کی خواہشوں پر چلے تو پھر تم کو اللہ (کے غضب) سے بچانے والا نہ کوئی دوست ہے اور نہ مددگار"۔ (البقرہ ۲:۱۲۰)

حوالے:

1- Market Reports. National Trade Data Bank July 1992.

2- US Treaties and Other Agreements Part I. (1979 - 1981)

3- Market Reports. March 1996. Egypt. Cairo.

4- J.A. Allan. "Substitutes of Water Are Being Found in the Middle East and North Africa". Geojournal. 1992 p. 367

5- IBC International Risk Guide: Middle East and North Africa. International Reports (IBC Publications: U.S.A. 1992)

6- "Reuter;Middle East Magazine". December 1991.

7- Market Reports. National Trade Data Bank. March 1992. Egypt. Cairo.

8- John Cooley. "Middle East Water: Power for Peace". Middle East Policy 1992. p 30

9- Market Reports. National Trade Data Bank. March 1996. Israel Tel Aviv.

10- Noam Chonsky. Pirates and Emperors. International Terrorism (Amana Books. Vermont 1986)

رسائل و مسائل

خواب کی حیثیت

(خوابوں کی بنیاد پر احکام شرعی کا استنباط، یہاں تک کہ نصوص کا رد بھی، عام مرض ہے۔ خصوصاً خوابوں میں بزرگوں، یہاں تک کہ حضور نبی کریمؐ کے ارشادات کو بنیاد بنا کر بھی۔ اس بارے میں ہم مولانا تھانوی کی ایک تحریر درج کر رہے ہیں جو امید ہے، مفید ہوگی۔ (مدیر))

میرے والد ایک جگہ بیعت ہیں، صوم و صلوٰۃ اور تہجد کے پابند ہیں، قبر پرست بھی ہیں۔ اکثر مجھے نماز خصوصاً تہجد کی تاکید فرماتے رہتے ہیں۔ مجھے پیغام بھیجتے رہتے ہیں کہ تمھاری دربار میں غیر حاضری ہے۔ ہمیں ہمارا مالک یہی بتاتا ہے کہ تو اپنے مرشد کے ارشاد پر عمل نہیں کرتا۔ مالک سے ان کی مراد اپنے پیشوا علیہ الرحمتہ ہیں۔ ایک دفعہ فرماتے تھے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں میری بابت عرض کیا تو جواب ملا، کیا کریں وہ غیر حاضر رہتا ہے۔ حقیقت میں ہمیں بتایا جاتا ہے کہ تمھارے دل میں یہ وسوسہ ہے کہ خدا علیحدہ چیز ہے اور پیر علیحدہ ہے۔ جب تک تم اس وسوسہ کو نہ نکالو گے اور پیر کو عین ذات حق تصور نہ کرو گے، کچھ نہ بنے گا۔ مجھے انکار، اور ان کو اصرار کہ نہیں طریقت کا مسئلہ یہی ہے۔ تم تو شریعت کے مطابق شرک سمجھتے ہو، حقیقت یہ ہے کہ ظاہر میں تو انسان کو شریعت کا ہی پابند ہونا چاہیے، پیر کو پیر اور خدا کو خدا ہی کہنا چاہیے۔ مگر طریقت میں دونوں ایک ہیں۔ بیٹا، ہماری بات کو مان لو۔ ہم کامل بزرگوں کی مجلس میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ غرض تم مقصد نہیں پا سکو گے جب تک ہماری بات کو سچ نہ سمجھو گے۔ میرے انکار پر ان کے آنسو نکل آتے۔ مگر مجھے یہ صریح شرک نظر آ رہا تھا، میں کیسے مانتا۔ آخر میں نے دل میں ٹھان لی کہ آپ سے استفسار کروں۔ ایک اور چیز عرض کر دوں۔ والد صاحب نے فرمایا تھا کہ آٹھ دن ہمارا کہا سچ مان کر دیکھ لو، تو شب و روز تذبذب میں گزرنے لگے۔ ایک روز سونے سے قبل خدائے عزوجل سے دعا مانگی کہ اے اللہ مجھے صحیح راستے کی طرف رہنمائی کر۔ دعا مانگ کر سو رہا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک معمولی سا مکان ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک سادہ معمولی سے چھپر کھٹ پر بیٹھے ہیں اور ایک سفید چادر اوپر اوڑھ رکھی ہے۔ (مجھے خبر نہ تھی مگر دریافت پر معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں)۔ کچھ علیل ہیں۔ یکایک حدیث قرطاس کا مسئلہ پیش ہو گیا۔ حضورؐ میری طرف مخاطب ہو کر فرمانے لگے کہ حضرت علیؓ کو

بلا لاؤ تاکہ میں کچھ لکھ دوں کہ بعد میں جھگڑا نہ ہو (الفاظ یہ تھے، جھگڑا نہ ڈالے)۔ میں جاکر حضرت علیؓ کو بلا لایا، اور کہا کہ حضورؐ تحریر کرنا چاہتے ہیں تاکہ آپ بعد میں تقاضا نہ کریں۔ لیکن وہ خاموش ہو گئے اور کہنے لگے، رہنے دو حق تو میرا ہی ہے۔ یہی لکھیں گے۔ اتنے میں ہم ایک دوسرے کمرے میں پہنچ گئے۔ وہاں حضرت ابوبکرؓ ایک بالکل سادی چارپائی کی پائنتی بیٹھے ہوئے، دبلے پتلے اور لوگوں سے سفید تھے۔ وہاں بھی یہی گفتگو ہوئی۔ حضرت علیؓ رونے لگے مگر ہم انھیں خاموش کر کے حضورؐ کے سامنے لے گئے۔ جب ہم وہاں پہنچے تو آنحضرتؐ وصال پا چکے تھے۔ باوجود جانتے ہوئے کہ وصال پا چکے ہیں، میں نے انھیں بیدار کیا، چادر اسی طرح اوپر پڑی تھی، آنحضورؐ اٹھ بیٹھے اور معاملہ پیش ہوا، اور حضورؐ نے حضرت ابوبکرؓ کے حق میں تحریر کر دی۔ اس کے بعد تمام حاضرین رخصت ہو گئے اور صرف میں اکیلا رہ گیا۔ آنحضورؐ چہل قدمی کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے، میں بھی ساتھ ہو لیا۔ میں نے عرض کی، یا رسول اللہؐ میرے اور والد بزرگوار کے سلسلے کے درمیان ایک مسئلہ کے متعلق تنازع ہے، اس کا حل کیا ہے؟ فرمایا، کیا۔ میں نے عرض کیا کہ وہ فرماتے ہیں کہ پیر اور خدا ایک چیز ہے۔ فرمایا، درست کہتے ہیں۔ میں نے عرض کی، کس طرح؟ آپؐ تشریح کرنے لگے اور میں سننے لگا۔ ابھی ایک دو ہی فقرے کہے تھے کہ مجھے یوں معلوم ہوا جیسے میں آہستہ آہستہ کسی دوسری دنیا کو لے جایا جا رہا ہوں۔ افسوس میں ان کی تشریح کو نہ سن سکا۔ میرے کانوں میں آواز دھیمی دھیمی ہوتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ جب بالکل چپ ہو گئے تو میں بیدار تھا اور خواب کا نظارہ میری آنکھوں میں تھا۔ سچ عرض کرتا ہوں اس دن سے اور تذبذب میں پڑ گیا ہوں۔ مجھ سا گنہگار فاسق بدکار اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دیدار۔ میں کہتا ہوں کہ مجھ سے فریب نہ ہو۔ مگر جب بزرگوں سے یہ سنتا ہوں کہ بزرگوں خصوصاً انبیا کی شکل میں کوئی بد روح خواب میں متشکل ہو کر نہیں آتی، نہ آسکتی ہے تو پھر ان کے اس ارشاد پر کہ تمھارے والد صاحب درستی پر ہیں اور حیران ہوتا ہوں۔ مہربانی فرما کر جواب سے سرفراز فرمائیں۔

اس واقعہ میں کئی شک کے پہلو ہیں:

اول یہ شک، کہ جن کو دیکھا، واقعی حضورؐ ہی تھے کیونکہ ایک قول یہ بھی ہے کہ واقعیت کی شرط یہ بھی ہے کہ حلیہ کے موافق زیارت ہو۔ مگر یہاں زیارت آپؐ کی شان رفیع کے مناسب ہیئت میں بھی نہیں ہوئی۔ چنانچہ خط میں چھپر کھٹ بھی معمولی اور کچھ علالت بھی لکھی ہے۔

دوسرا یہ شک، کہ وہ حضورؐ ہی کی آواز مبارک تھی جو سنی۔ کیونکہ سورۃ النجم میں تلک الغرانیق العلیٰ کے قصہ میں بعض علماء سامعین کے اشتباہ کے قائل ہیں۔

تیسرا یہ شک 'کہ سننے والے نے صحیح ... کیونکہ جب بیداری میں سماع میں غلطی ہو جاتی ہے تو خواب تو بے ہوشی کی حالت ہے۔

چوتھا یہ شک 'کہ سامع نے صحیح بھی سمجھا ہے۔ جیسا مصر میں اشوب العمو میں تمام علما نے رائے کی غلطی قرار دی تھی۔

پانچواں یہ شک 'کہ صحیح یاد بھی رہا۔ خصوصاً جب دیکھنے والے ہم جیسے ظلماتی قلوب والے ہوں۔ جیسے دیکھنے والے نے اس جملہ میں کہ (یہ حقیقت ہے) اس کو تسلیم کر لیا ہے تو یہ شکوک اور زیادہ قوی ہو جاتے ہیں۔ بلکہ شک کے درجہ سے گزر کر غلطی کی جانب راجح بلکہ یقینی ہو جائے۔ چنانچہ خود اس خواب کے بعض اجزا یقیناً اضغاث احلام ہیں۔ جیسا حضرت علیؓ کا خلافت بلافصل کو اپنا حق جتلانا جو کبھی زمانہ تحقیق احکام میں بھی نہیں فرمایا۔ یہ یقیناً دلیل ہے دیکھنے والے کے خیالات میں خلط کی۔ اس سے بقیہ اجزائے خواب سے بھی اعتماد اٹھ جاتا ہے۔

چھٹے' ان سب سے قطع نظر کر کے' جب یہ خواب نصوص قطعیہ کے معارض ہے' تو معارض حدیث کی طرح یا اس کو ترک کر دیا جائے گا' یا اس کی تاویل کی جائے گی۔ تاویل یہ ہو سکتی ہے کہ معنی مجازی کے اعتبار سے' درست ہے۔ وہ معنی مجازی یہ ہیں کہ پیر کامل کا حکم' بوجہ موافقت حکم شرع کے 'گویا خدا ہی کا حکم ہے۔ ایسے موقع پر محاورات میں یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ جیسے سورہ قیامہ میں قرات جبرا ئیلیہ کو اپنی طرف منسوب کر کے قرانہ فرما دیا لیکن اس وقت جو لوگ ایسی شطحیات میں مبتلا ہیں یہ تاویلِ ان کے خواب میں بھی نہیں آئی۔ اس لیے وہ یقیناً زندقہ ہے۔ یقیناً وقطعاً باطل ہے' جس کا اعتقاد کفر ہے۔ پھر اگر دوسرا اس کے خلاف خواب دیکھ لے تو کیا دونوں خوابوں کو صحیح کہا جائے گا یا قانون نقلی و عقلی کی بنا پر اذا تعارضا تساقطا کا حکم کر کے دوسری غیر متعارض دلیل کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ اور وہ دلیل قطعی محکم نصوص ہیں۔ معتبر کتابوں میں ہزاروں واقعات ایسے' بلکہ اس سے بھی زیادہ شبہ میں ڈالنے والے منقول ہیں۔ آج تک کسی عالم نے 'کسی عارف نے خوابوں کو نصوص پر ترجیح نہیں دی' بلکہ خوابوں کو غلط سمجھ کر نصوص پر عمل کیا۔ اور اس اعتقاد کا تو احتمال بھی کفر ہے 'کہ کوئی چیز شریعت میں منفی ہو اور طریقت میں مثبت ہو۔ خود ائمہ طریقت نے بلااختلاف اس اعتقاد کا ابطال کیا ہے۔ نیز خواب پر عمل کرنے والے سے اگر باز پرس ہوئی کہ تو نے خواب کے سبب نصوص کو کیسے ترک کیا تو اس کے پاس کوئی معقول عقلی یا نقلی عذر نہیں جو مقبول ہو۔ اور اگر نصوص پر عمل کرنے والے سے باز پرس ہوئی (اور یہ محض فرض محال ہے) تو اس کے پاس نہایت صحیح و قوی عذر ہیں جو اوپر مذکور ہوئے۔ غرض ہر حال میں خواب کا ظاہری مطلب واجب الرد ہے۔ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ۔ (مولانا اشرف علی تھانوی)

عذر کی بنا پر جمع بین الصلوٰتین

یہاں رات کا کرفیو شام آٹھ بجے سے صبح سات بجے تک نافذ ہے۔ جس کی وجہ سے نماز عشا اور نماز فجر ناممکن ہو گئی۔ نماز عشا گھروں میں ہی ادا کی جاتی ہے۔ اس سلسلے میں، میں نے **فقہ السنہ** کا مطالعہ کیا جہاں پر فقہ حنفیہ کے سوا سبھی دیگر فقیہوں (شافعی، مالکی اور حنبلی) کے نزدیک مجبوری اور بارش کے وقت حضر میں بھی مغرب کے وقت ہی عشا یعنی جمع بین الصلوٰتین ادا کی جا سکتی ہے۔ چند مقامی علما نے فقہ حنفی کی رو سے اس کی اجازت نہیں دی۔ چند ایک نے اختلاف اور انتشار کے بجائے مسجد میں نماز عشا ادا نہ کرنے کو بہتر کہا ہے۔ اس سلسلے میں درج ذیل نکات کی وضاحت مطلوب ہے:

(الف) کیا شدید مجبوری کے وقت بھی فقہ حنفی کے مطابق جمع بین الصلوٰتین نہیں کیا جا سکتا ہے جب کہ نماز عشا مسجد میں مقررہ وقت پر ادا ہونا ممکن نہیں ہے؟ کیا ایسی صورت میں ترک جماعت جائز ہے؟

(ب) نماز عشا اور نماز مغرب کے درمیان کا وقفہ کم سے کم کتنا ہونا چاہیے؟

(ج) جمع بین الصلوتین میں اذان ایک ہی ہو یا دونوں نمازوں کے لیے الگ الگ؟

(د) ان میں اقامت کا کیا حکم ہے۔ ایک ہی یا دو؟

(ہ) جمع بین الصلوتین کے وقت سنت نمازیں پڑھی جائیں گی یا موخر کی جائیں گی؟

(و) کیا انفرادی طور پر نماز کی ادائیگی سے پہلے اذان ضروری ہے۔

نماز ایک ایسی عبادت ہے جس میں وقت کی بڑی اہمیت ہے۔ قرآن مجید نے اس کو وقت سے ہم رشتہ فرض (کتاب موقوت) قرار دیا ہے۔ پھر نماز پنجگانہ کے لیے جو اوقات ہیں، وہ بعض جزوی اختلافات سے قطع نظر بحیثیت مجموعی --- کہا جا سکتا ہے کہ --- تواتر سے ثابت ہیں، اسی لیے احناف کے نزدیک کسی بھی عذر کی بنا پر جمع بین الصلوٰتین کی گنجایش نہیں ہے، اور جن احادیث میں بظاہر جمع بین الصلوتین کیا جانا معلوم ہوتا ہے، احناف کے نزدیک وہ محض صورتاً دو نمازوں کا اجتماع ہے۔ حقیقتاً دونوں نمازیں اپنے اپنے وقت میں ہی ادا کی جاتی تھیں، ایک نماز اپنے آخری وقت میں اور دوسری نماز اپنے ابتدائی وقت میں، اسی لیے بظاہر دو نمازوں کا اکٹھا کرنا نظر آتا ہے۔

(۲) دوسرے فقہا کے یہاں ظہر و عصر اور مغرب و عشا میں خاص حالات میں جمع بین الصلوتین کی گنجایش ہے۔ سفر میں جمع بین الصلوٰتین پر مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کا اتفاق ہے، بارش کی وجہ سے مغرب اور عشا میں جمع پر بھی ان تینوں مکاتب فقہ کا اتفاق ہے۔ شوافع کے نزدیک ظہر و عصر میں بھی بارش کی وجہ سے جمع کیا جا سکتا ہے۔ مالکیہ کے یہاں ظہر و عصر میں جمع درست نہیں، حنابلہ سے دونوں طرح کے اقوال

منقول ہیں۔ بیماری کی بنا پر مالکیہ اور حنابلہ کے یہاں جمع بین الصلوتین کیا جا سکتا ہے۔ شوافع کے یہاں نہیں کیا جا سکتا۔ (شرح المھذب ۳۷۶/۲، المغنی ۵۸/۲)

ان کے علاوہ کسی اور عذر کی بنا پر بھی دو نمازوں کو جمع کیا جا سکتا ہے؟ اس بابت "ابن شبرمہ" سے نقل کیا گیا ہے کہ کسی اور حاجت و ضرورت کی بنا پر بھی جمع کی گنجایش ہے، بشرطیکہ اس کو عادت نہ بنایا جائے (المغنی ۶۰/۲)۔ امام نووی نے بھی فقہا شوافع میں قاضی حسین سے خوف کی بنا پر جمع بین الصلوٰتین کی اجازت نقل کی ہے (شرح المھذب ۳۸۳/۴) تاہم ان فقہی مذاہب کی کتابوں کے مطالعے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ سفر، بیماری اور بارش کے سوا کسی اور سبب سے جمع بین الصلوٰتین کا جائز نہیں ہونا راجح ہے، مجھے بھی یہی قول زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے، اس لیے کہ غزوہ خندق کے موقع پر باوجود شدید خوف اور مسلسل تیر اندازی کے آپؐ سے جمع بین الصلوٰتین کرنا ثابت نہیں ہے۔

(۳) ویسے ضرورت اور مشقت کی وجہ سے فقہا احناف نے اس مسئلہ میں دوسرے فقہا کی رائے پر عمل کرنے کی اجازت دی ہے، بشرطیکہ ان شرائط کی بھی رعایت کی جائے جو ان فقہا نے مقرر کی ہیں، چنانچہ مشہور حنفی فقیہ علامہ حصکفی جمع بین الصلوتین ہی کے ذیل میں لکھتے ہیں ولا باس بالتقلید عند الضرورہ لکن بشرط ان یلتزم جمیع ما یوجبہ ذلک الامام" (درمختار مع الرد ۱۵۶/۱) ترجمہ: اور ضرورت کے وقت تقلید میں کوئی ہرج نہیں ہے بشرطیکہ ان امام کی کل شرائط کا التزام کیا جائے۔

(۴) جمع بین الصلوٰتین کے لیے تین شرطیں ہیں، اول یہ کہ پہلی نماز شروع کرتے ہوئے ہی جمع بین الصلوٰتین کی نیت کرے۔ دوسرے نماز ترتیب سے ادا کی جائے۔ مثلاً پہلے مغرب پڑھی جائے پھر عشا تیسرے، دونوں نمازوں کے درمیان زیادہ فصل نہ ہو، زیادہ اور کم کا مدار عرف پر ہے، بعض لوگوں نے معمولی فصل کا اندازہ یہ مقرر کیا ہے کہ وضو یا تیمم اور اقامت کی مقدار سے زیادہ فصل نہ ہونا چاہیے۔ (شرح المھذب ۳۷۵۴، المغنی ۶۱/۲)

(۵) جمع بین الصلوٰتین کی صورت میں اذان تو ایک ہی ہو گی، البتہ اقامت دونوں نمازوں کے لیے الگ الگ کہی جائے گی۔

(۶) جمع بین الصلوٰتین کی صورت مغرب کی سنت درمیان میں نہ پڑھی جائے، یہی راجح ہے۔ (شرح المھذب ۳۷۵/۴، المغنی ۶۱/۱)

(۷) عشا کے بعد سنت عشا اور وتر کے علاوہ مزید دو رکعت پڑھ لے، میری ذاتی رائے یہ ہے کہ اگر نماز مغرب اس کے آخری وقت میں اور عشا اس کے ابتدائی وقت میں ادا کی جا سکتی ہو تو اس طرح ادا کر لینا بہتر ہے، ورنہ مستقل طور پر جماعت عشا کے ترک سے جمع بین الصلوتین کر لینا بہتر ہو گا، پھر جوں ہی عذر ختم

ہو جائے' نماز اپنے وقت پر ادا کی جائے' تاہم یہ میری ذاتی رائے ہے' دوسرے اہل علم سے بھی دریافت کر لیں' اور اس بات کو بہرحال اختلاف و انتشار کا باعث نہ بننے دیں۔ اگر اور لوگوں کو اس پر اطمینان نہ ہو تو اصرار نہ کیا جائے۔

(۸) اگر معلوم ہو کہ مقامی مسجد میں اذان نہیں دی گئی ہے تب تو اذان دے ہی دینی چاہیے کیونکہ اذان منجملہ شعائر دین کے ہے' اور اگر اذان دی جا چکی ہے تب بھی اپنی نماز کے لیے اذان دینے کی گنجائش ہے (رد المحتار ۱/۲۵۷) (مولانا خالد سیف اللہ رحمانی)

کتاب نما

رحمٰن کے سائے میں، حافظ محمد ادریس۔ مکتبہ احیاے دین، منصورہ، لاہور۔ صفحات: ۱۸۴۔ قیمت: ۴۰ روپے۔

۹۴ قرآنی دعاؤں کا یہ مجموعہ اس اعتبار سے منفرد ہے کہ مصنف نے ہر دعا کے ساتھ صرف اس کا ترجمہ ہی نہیں دیا، بلکہ معروف تفاسیر قرآن کی مدد سے اس کا پورا تاریخی پس منظر اور سیاق و سباق بھی بیان کر دیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دعا اللہ کے کس نیک بندے نے، کس موقع پر اور کن حالات میں مانگی تھی۔ قاری محسوس کرتا ہے کہ وہ خود اس ماحول میں موجود ہے اور ان حالات سے گزر رہا ہے جن میں ابتدا وہ دعا مانگی گئی تھی۔ بیش تر، یہ انبیاے کرام کی دعائیں ہیں اس لیے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ کے یہ برگزیدہ بندے آزمایشوں کی نہایت دشوار گزار گھاٹیوں سے گزرے اور انھیں آلام و مصائب کے ہفت خواں بھی طے کرنے پڑے۔ اعلاے کلمۃ الحق پھولوں کی سیج نہیں۔ اس راہ کے مسافروں کو ہر طرح کے صبر آزما حالات سے دوچار ہونے اور پھر ان سے عہدہ برآ ہونے کی تدابیر میں لگے رہنا چاہیے اور ان تدابیر میں سب سے اہم اور پہلی چیز دعا ہے۔ ایک مومن کے لیے آسودگی و اطمینان کا بڑا ذریعہ بھی دعا ہے۔

مجموعے کے ابتدا میں "فلسفہ و حکمت دعا" کے عنوان سے ایک سیرحاصل مقدمے میں دعا کی حقیقت، قبولیت، اہمیت، طریقہ دعا اور دعا کی شرائط پر بحث کی گئی ہے۔ تربیتی اعتبار سے یہ ایک مفید کتاب ہے۔ اگر یہ مستقل زیر مطالعہ رہے اور توجہ اور یکسوئی کے ساتھ روزانہ ایک دعا کا مطالعہ کر لیا جائے اور اسے ٹھہر ٹھہر کر اور سمجھ کر دو چار بار دہرایا جائے تو قاری اس کی تاثیر محسوس کرے گا، ان شاء اللہ۔ (رفیع الدین ہاشمی)

راہ نوردِ شوق، علامہ عنایت اللہ۔ ناشر: قرآن اکیڈمی، منڈی بہاء الدین (گجرات)۔ صفحات: ۳۲۵۔ قیمت: ۱۵۰ روپے۔

زیرِ نظر کتاب سات ہفتے کی روداد سفر برطانیہ (بہ سلسلہ شرکت سیرت کانفرنس ۱۹۹۴ بہ اہتمام یو کے اسلامک مشن) کے طور پر پیش کی گئی ہے۔ علامہ عنایت اللہ صاحب اس سے پہلے بھی برطانیہ اور یورپ کا دورہ کر چکے تھے (۱۹۷۶، ۱۹۸۴) ۱۰ سال بعد جانا ہوا تو انھوں نے محسوس کیا کہ "بدلا ہوا زمانہ تھا"۔ دیباچے

میں ویزے کے حصول کے ہفت خواں کا ذکر ہے' پھر تیاری کے مراحل اور روانگی۔ مصنف نے روداد سفر کے ساتھ برطانیہ کے عمومی ماحول' اہل مغرب کے معاشرتی رویوں اور وہاں کی تہذیبی اور تمدنی صورت حال کا بھی ذکر کیا ہے اور کچھ تذکرہ دوست احباب اور تحریکی ساتھیوں کا ہے۔ علامہ صاحب بنیادی طور پر ایک خطیب ہیں' چنانچہ کتاب میں بسااوقات مسافر پس منظر میں چلا جاتا ہے اور خطیب اپنے علم و فضل اور خطابت کے جوہر دکھاتا نظر آتا ہے۔ قاری کو مختلف دینی' اخلاقی اور تہذیبی موضوعات پر مصنف کے عالمانہ خیالات اور کہیں کہیں مستقل تقریریں پڑھنے کو ملتی ہیں۔ مصنف بتاتے ہیں کہ "میری زندگی کا واحد مقصد" جہاد بالقرآن ہے اور عمر کا اکثر حصہ اسی میں بسر ہوا ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جمعہ پڑھا کر گھر سے نکلتا ہوں تو پھر دوسرا جمعہ آکر پڑھاتا ہوں اور درمیان کے شب و روز دعوت الی القرآن دیتے گزر جاتے ہیں۔ کئی مقامات پر دس پندرہ سال سے ماہانہ درس قرآن کا سلسلہ جاری ہے"۔

مصنف ذوق شعرو ادب سے بہرہ ور ہیں۔ موقع محل کی مناسبت سے جگہ جگہ موزوں اشعار بھی لاتے ہیں۔ کتاب کا نام' اقبال کے ایک مصرعے سے ماخوذ ہے (اگرچہ اقبال کے ہاں "رہ نورد شوق" ہے) اشعار کا استعمال خطیبانہ اسلوب نثر کی روایت میں شامل ہے مگر یہ درست ہے کہ فنی اعتبار سے زیر نظر کتاب میں "سفرنامہ" کی وہ تمام خوبیاں موجود نہیں جن کا تقاضا ادبی نقاد کرتے ہیں۔ بہرحال اس کتاب سے ہم برطانیہ کی دعوتی' اور دینی اور تبلیغی سرگرمیوں سے واقف ہوتے ہیں اور داعی کے اوصاف' جہاد کشمیر' اخلاص فی الدین' امت میں اتحاد کی ضرورت' عقیدۂ توحید کی اہمیت' سیرت نبویؐ اور اسی طرح کے موضوعات پر مختصر اور چھوٹی بڑی تقریروں سے بھی مستفید ہوتے ہیں۔ کتاب بڑی تقطیع پر صاف ستھری چھپی ہے۔ (ر - ہ)

خفتگانِ خاکِ گجرات ' ڈاکٹر محمد منیر احمد سلیچ۔ سلیچ پبلی کیشنز' اوراں' گجرات۔ صفحات: ۳۲۰۔ قیمت: ۳۰۰ روپے۔

وفیات نگاری' تاریخ کا ذوق رکھنے والوں کا مرغوب موضوع رہا ہے۔ مسلمانوں کے علوم میں اس کا آغاز "وفیات الاعیان" (ابن خلکان) سے ہوتا ہے۔ اردو میں اس موضوع پر قدیم زمانے میں متعدد چیزیں لکھی گئیں' حالیہ برسوں میں پروفیسر محمد اسلم (سابق پروفیسر و صدر شعبہ تاریخ' جامعہ پنجاب لاہور) نے چند قابل قدر کتابیں تالیف کی ہیں: "خفتگان کراچی" ' "خفتگان خاک لاہور" ' "وفیات مشاہیر پاکستان" اور "وفیات اعیان پاکستان"۔ اول الذکر دو کتابوں میں مرحومین کے تعارف کے ساتھ ان کی قبروں کے کتبے بھی نقل کیے گئے ہیں۔ موخر الذکر دو کتابوں میں تواریخ وفات اور مشاہیر و اعیان کے مختصر تعارف شامل ہیں --- انھی کتابوں سے متاثر ہو کر اور تحریک پا کر ڈاکٹر محمد منیر احمد نے "ضلع گجرات (پنجاب) میں مدفون مشاہیر کے

حالات و الواح" (سرورق) پر مشتمل زیر نظر کتاب پیش کی ہے۔

پہلے حصے میں ۱۴۵ مرحومین کے مختصر حالات اور قبروں کے کتبے شامل ہیں۔ اس نوعیت کے کتبے مستند سوانحی ماخذ میں شمار ہوتے ہیں۔ کتبوں سے کسی شخص کی تاریخ پیدائش، تاریخ وفات، کوئی خاص عہدہ یا خطاب، تصانیف، عقیدہ یا مسلک، جاے انتقال اور بعض اوقات شعری کلام اور مرشد یا استاد کے نام وغیرہ کا پتا چلتا ہے۔ دوسرے حصے میں ۹۴ افراد کے چار چار، پانچ پانچ سطری سوانحی شذرے شامل ہیں۔ تیسرے حصے میں ضلع گجرات سے باہر مدفون مشاہیر گجرات کا مختصر ذکر ملتا ہے۔ آخر میں کتاب میں شامل شخصیات کا اشاریہ، بہ اعتبار تاریخ وفات، دیا گیا ہے۔

مصنف ایم بی بی ایس ڈاکٹر ہیں۔ طبابت کے ساتھ ادبی اور تحقیقی ذوق بھی رکھتے ہیں۔ انھوں نے محض اپنے ذوق و شوق کی تسکین کے لیے تلاش و تحقیق کی کھکھیڑ اٹھائی، سخت محنت کی اور بہت سا وقت صرف کیا جس کے نتیجے میں ایک اعلیٰ پائے کی کتاب تیار ہوئی ہے۔ مصنف نے جملہ دستیاب معلومات اور لوازمے کو ایک کہنہ مشق تحقیق کار کی سی سلیقہ مندی اور مہارت سے مرتب کیا ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ بعض مشاہیر کی تواریخ وفات بھی نکالی ہیں۔ بعض شخصیات کے احوال و آثار تو ان کی کاوش سے پہلی مرتبہ سامنے آئے ہیں۔ کتبوں کی بعض غلطیاں بھی درست کر دی گئی ہیں۔ تاہم بعض صفحات پر کتبوں کی کچھ غلطیاں نظر آتی ہیں جیسے: ص ۲۶، ۴۰، ۱۰۸، ۲۳۷، ۲۵۱۔ بعض الفاظ کا املا توجہ طلب ہے، مثلاً: ہمارے خیال میں ابتداء (ص ۱۷۵) استغناء (ص ۲۰۱)، مارشل لاء (ص ۱۰۵) اور سینکڑوں (ص ۱۷۲) کو ابتدا، استغنا، مارشل لا اور سیکڑوں لکھنا چاہیے۔ اسی طرح "سن" کے بجائے "سنہ" اور "دیئے" کے بجائے "دیے"۔ پروفیسر سید اکبر علی شاہ (ص ۳۵) کی Gabriel's Wing "بال جبریل" کا پورا نہیں، صرف غزلوں کا ترجمہ ہے۔ ڈاکٹر عبدالغنی (ص ۱۱۹) کے ضمن میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی تصنیف "دینیات" کا (جو کئی برس تک حیدر آباد دکن میں نصابی کتاب کے طور پر بھی سکولوں میں پڑھائی جاتی رہی) پہلا انگریزی ترجمہ انھوں نے ہی کیا تھا۔

کتاب میں بعض دلچسپ باتیں بھی ملتی ہیں، مثلاً: مصنف بتاتے ہیں کہ خواجہ ثناء اللہ پیر خرابات کی تصانیف کی تعداد ایک سو سے زائد ہے۔ ان میں زیادہ تر تصوف پر ہیں۔ انھیں تصنیف و تالیف میں غیبی مدد حاصل ہوتی تھی۔ انھوں نے ایک ایک دن میں، ایک ایک کتاب اس ضخامت کی لکھی کہ اس کو پڑھنے کے لیے بھی کئی روز درکار ہیں۔ (ص ۸۹)

معروف بزرگ حضرت شاہ دولہ کے سلسلے میں بتایا ہے کہ شاہ دولہ کے چوہوں کی "کرامات" کا معاصر حوالوں میں ذکر نہیں ملتا۔ مصنف کا خیال ہے کہ تاریخ کے علاوہ سائنس اور منطق پر بھی یہ بات پوری نہیں

اتری کیونکہ چھوٹا سر ایک جینیاتی بیماری (Microcephaly) ہے اور یہ پوری دنیا میں ہوتی ہے۔ بسااوقات بغیر منت مانگے اور کئی نارمل بچوں کے بعد بھی چوہا یعنی خورد سر بچہ پیدا ہوتا ہے (ص ۹۷)۔ شاہ عبدالعزیز پشن پشنوری کے بارے میں روایت بیان کی ہے کہ آپ ایک بار داراشکوہ کے ساتھ شاہ جہاں کے دربار میں تشریف لے گئے تو آزمائش کی غرض سے تمام شمع دان گل کر دیے گئے مگر آپ کے وجود پر نور سے تمام محل جگمگا اٹھا (ص ۱۱۳) واللہ اعلم بالصواب۔

زیر نظر کتاب تاریخی تحقیق کا ایک عمدہ اور قابل قدر نمونہ ہے۔ صوری اعتبار سے بھی یہ طباعت و اشاعت کا اطمینان بخش معیار پیش کرتی ہے۔ (ر - ہ)

Role of the State in the Economy: An Islamic Perspective.

ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی۔ ناشر: اسلامک فاؤنڈیشن لیسٹر' برطانیہ۔ صفحات: ۱۰۸۔ قیمت: درج نہیں۔

اسلامی معاشیات کے حوالے سے ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ وہ گذشتہ چالیس برس سے اس موضوع کے مختلف گوشوں پر گراں قدر تحقیقی کام کر رہے ہیں۔ انھوں نے اسلامی معاشیات پر ایک درجن سے زائد کتب اور بیسیوں مضامین لکھے ہیں۔ ان کی تصانیف "اسلام کا نظریہ ملکیت" اور "غیر سودی بنکاری" اپنے موضوع پر اہم کتب سمجھی جاتی ہیں۔

ان کی زیر تبصرہ تازہ ترین تصنیف پانچ ابواب پر مشتمل ہے اور اسلامی معاشرے میں ریاست کی اہمیت اور اس کے ایک اہم معاشی عامل ہونے کی حیثیت پر بحث کرتی ہے۔ کتاب کا پہلا باب اسلامی ریاست کی طرف سے عوام کے لیے کم از کم معیار زندگی کو یقینی بنانے سے متعلق ہے۔ اس ضمن میں ریاست کی طرف سے کم از کم معیار زندگی کے قیام' اس کی نوعیت' اس کے حق میں شرعی دلائل اور اس کو پورا کرنے کے لیے ذرائع اور وسائل پر بحث کی گئی ہے۔

دوسرا باب اسلامی ریاست میں سرکاری اخراجات سے بحث کرتا ہے۔ اس باب میں اسلامی ریاست کے وظائف (functions)' ریاست کے مستقل اخراجات کی مدات' ریاست کی ذمہ داریوں میں سے "فرض کفایہ" کی نوعیت و وسعت' موجودہ دور میں شریعت کی روشنی میں لازمی سرکاری اخراجات' عوام کی طرف سے ریاست کو تفویض کردہ ذمہ داریوں' سرکاری اخراجات کے فوائد کی عوام میں بہتر تقسیم' کام کرنے کی ترغیب' بچت کرنے کی ترغیب اور سرکاری اخراجات میں ترجیحات کے تعین پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔

تیسرا باب سرکاری قرضہ جات (pubiic horrowing) سے متعلق ہے۔ اس باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے بعد کے دور اور چوتھی صدی ہجری میں سرکاری قرضہ جات کے حصول' اس

کی وجوہ اور نوعیت پر تاریخ اور احادیث کے حوالوں سے آج کے دور کی ایک اہم ضرورت پر بحث کی گئی ہے۔ چوتھا باب اسلام میں بین الاقوامی معاشی تعلقات سے متعلق ہے۔ اس باب میں اسلام کے آفاقی تصور، باہمی معاملات میں راست بازی اور عدل کی اہمیت، خارجی معاشی پالیسی کے مقاصد، اور حکومت کی طرف سے معاشی لین دین کے شرعی اصولوں کی وضاحت کے ساتھ ساتھ قومی معاشی مفادات پر بحث کی گئی ہے۔

کتاب کا آخری باب اسلام میں رضاکارانہ شعبے کے تصور سے متعلق ہے۔ اس باب میں رضاکارانہ بنیادوں پر ضرورت مندوں کی مدد اور معاشی ضروریات کو پورا کرنے کے بارے میں دین اسلام کے اقدامات کی وضاحت کی گئی ہے۔ مزید برآں تقسیم دولت اور ذرائع کی تخصیص پر رضاکارانہ شعبے کے اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے اور اس سلسلے میں بالخصوص "وقف" کے ادارے کی اہمیت اور معاشی اثرات پر بحث کی گئی ہے۔

یہ کتاب اپنے اندر اسلامی معاشیات اور سیاسیات کے اساتذہ و طلبہ کے لیے نئی سوچ کا بیش قیمت خزانہ رکھتی ہے۔ کتاب کی افادیت کے پیش نظر اس کے اردو ترجمے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ (میاں محمد اکرم)

ہالۂ جبریل سے باہر، اعجاز احمد فاروقی۔ ناشر: ادارہ مطبوعات سلیمانی، اردو بازار، لاہور۔ صفحات: ۳۰۱۔ قیمت: ۱۰۰ روپے۔

جناب اعجاز احمد فاروقی معاصر افسانہ نگاروں میں اپنا ایک مقام بنا چکے ہیں۔ قبل ازیں ان کے دو افسانوی مجموعے منظر عام پر آئے ہیں۔ تیسرا مجموعہ پیش نظر ہے، جو ۳۸ افسانوں پر مشتمل ہے۔ ان افسانوں کے موضوعات کا چناؤ اس لحاظ سے عمدہ ہے کہ انھوں نے معاشرتی مسائل، بالخصوص طبقہ نسواں کے مسائل کو اپنی کہانیوں کا موضوع بنایا ہے۔ پھر یہ کہ ان کے گہرے مشاہدے، احساس کی شدت اور اظہار کے انوکھے اور جاندار بیان نے افسانوں کو جدت، تنوع اور تازگی عطا کی ہے۔ ایک عام سا مسئلہ اور ایک معمولی سا خیال جب فاروقی کے افسانوں کا موضوع بنتا ہے تو کہانی قاری کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہے۔ یہ اس وجہ سے بھی ہے کہ اعجاز احمد فاروقی کے افسانوں کے کردار عموماً ایک ہی نشست میں واقعاتی تغیر کا شکار ہوتے ہیں اور افسانہ نگار اپنے زور بیان سے کرداروں کے احساسات کو شدت، گہرے تاثراتی اور زوردار انداز سے پیش کرتے ہیں۔ کرداروں کے خیالات کی تبدیلی عموماً مثبت اور جان دار ہوتی ہے۔ بعض اوقات پوری کہانی میں تجسس کی ایک شدید فضا قائم رہتی ہے۔ کلائمکس پر پہنچ کر کہانی ایک سادہ سے فقرے کی مدد سے اختتام کو پہنچتی ہے۔ افسانہ نگار بعض اوقات ایک ہی بات کی وضاحت کے لیے مترادفات، تشبیہات و استعارات کا سہارا لیتے ہیں۔ ان کے اسلوب میں ایک مسحور کن ندرت اور قادر الکلامی ملتی ہے مگر یہ قدرت بیان و اظہار کئی

مقامات پر غیر معمولی طوالت اختیار کر لیتی ہے جو افسانے میں فنی لحاظ سے کھٹکتی ہے جیسے ان کے افسانے "ہالہ جبریل سے باہر" میں:

"تم بقول اپنے آدھے مسلمان ہو اور آدھے مسلمان نہیں ہو۔ اسی لیے تم آدھے گھر کے ہو، آدھے کلب کے ہو، آدھے مسجد کے ہو، آدھے ہوٹل کے ہو، آدھے بیوی کے ہو، آدھے تھریسا کے ہو اور پورے کسی کے بھی نہیں ہو۔ آدھے یوسف کے ہو، آدھے برادران یوسف کے ہو، آدھے کعبے کے ہو، آدھے کلیسا کے ہو، آدھے طالوت کے ہو، آدھے جالوت کے ہو۔۔۔۔" (بیان جاری ہے)

اعجاز احمد فاروقی کی افسانہ نگاری کا ایک اور پہلو بھی قابل توجہ ہے جس کی طرف ڈاکٹر ممتاز احمد نے اپنی تقریظ میں اشارہ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: "عہد حاضر کی ایک رزمیہ" کے پردے میں اسلام مغرب کی آویزش جھلک رہی ہے، جو پاکستان ہی نہیں بلکہ پوری دنیائے مسلمین میں زندگی اور موت کی الف لیلیٰ بنی ہوئی ہے۔ اس کش مکش سے آگاہی ایک عصری شعور کی دلیل ہے۔ پاکستان کے ادیب، ادب کے لیے عصری شعور کو تو لازم و ملزوم قرار دیتے ہیں لیکن عصری شعور میں اسلام اور مغرب کی مہیب اور دندانے دار آویزش کو شاید فالتو عنصر سمجھتے ہیں۔ درآں حالیکہ اسی آویزش میں سرخروئی نے اقبال کو اقبال بنایا تھا۔ اس سے تو یہی احساس ہوتا ہے کہ اردو فکشن بھی ایک اقبال کا منتظر اور چشم براہ ہے"۔

معاصر افسانہ نگاروں کے ہجوم میں فاروقی ایک شناخت رکھتے ہیں، جو ان کے موضوعات، ان کے اسلوب، افسانوں کے عنوانات، اظہار و بیان کے انوکھے پیرایوں سے واضح ہے۔ یہ افسانوی مجموعہ کتابت و طباعت کے لحاظ سے بھی بہت عمدہ ہے۔ (زبیدہ جبیں)

نقطۂ نظر (شش ماہی) مدیر: سفیر اختر۔ ناشر: انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، مرکز ایف سیون، اسلام آباد۔ صفحات: ۱۲۰۔ قیمت: ۶۰ روپے

اردو زبان ادب عالیہ اور ادب لطیف، دینی ادب اور میدان تحقیق میں وسیع ذخیرۂ کتب کی حامل ہے۔ دوسری زبانوں کے جدید تحقیق اور تخلیقی شہ پاروں کے لیے سائنسی نقد و جرح نے آب حیات کا سا کام کیا لیکن بدقسمتی سے اردو کا سرمایہ، بے دلیل مداحی یا کور چشم اور غیر متوازن تنقیص کا شکار ہو رہا ہے۔ اس افراط و تفریط کے نتیجے میں معروضی تبصرہ و تنقید کی صحت مند روایت پروان نہ چڑھ سکی۔ اخباروں اور رسالوں میں شائع ہونے والے تبصرے پڑھ کر متذکرہ بالا کیفیت زیادہ نمایاں طور پر محسوس ہوتی ہے۔ اس پس منظر میں ضرورت تھی کہ اردو میں شائع ہونے والی کتب پر نقد و جرح کے متوازن اسلوب کو متعارف کرایا جائے۔ انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز نے اپنے دیگر قابل قدر علمی و تحقیقی منصوبوں کے ساتھ اس پہلو

پر بھی توجہ دی ہے۔ "نقطہ نظر" کا پہلا شمارہ ہمارے سامنے ہے۔

شمارے میں بطور مقدمہ شمس الرحمٰن فاروقی کا مضمون "تبصرہ نگاری کا فن" اور اختر راہی کا تحقیقی مقالہ "اردو میں تبصرہ نگاری کی روایت" شامل ہیں' جو تبصرہ نگاری کے فن اور اس کی تاریخ کے حوالے سے خاصے کی چیز ہیں۔ جہاں تک زیر نظر مجلے میں شائع ہونے والے تبصروں کا تعلق ہے' تو وہ عام ڈگر سے ہٹ کر ایک صحت مند روایت کے حامل نظر آتے ہیں۔ خصوصاً سفیر اختر' احمد سعید' خورشید احمد خان یوسفی' محمود احمد فاروقی اور "ادارہ" کے تبصرے ایک قابل قدر علمی و تحقیقی انداز و اسلوب لیے ہوئے ہیں۔ اور علم' تحقیق اور مطالعے کا ذوق رکھنے والے قارئین شوق کی تسکین کا سامان فراہم کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اساتذہ اور طلبہ کے لیے "نقطہ نظر" میں رہنمائی کا خاصا لوازمہ موجود ہے۔

چند گزارشات: اول: مناسب ہو گا کہ مدیر محترم اپنا مقالہ مکمل کر کے کتابی اشاعت سے پہلے بطور دوسری قسط' اس پرچے میں شائع کریں۔ اس میں خصوصاً ایسی کتابوں کا جائزہ لیا جائے' جو محض تبصرہ کتب کے مجموعے ہیں' مثلاً: بھارت سے مطبوعہ ڈاکٹر گیان چند' شمس الرحمٰن فاروقی' کلام حیدری اور ڈاکٹر عنوان چشتی کے مجموعے یا ڈاکٹر سلیم اختر کا مجموعہ ("ہاتھ ہمارے قلم ہوئے"' لاہور' ۱۹۹۵) یا حکیم محمد سعید کا مجموعہ ("کتابوں کی کتاب"' کراچی) یا ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کے مجموعے (۱۹۸۵ کا اقبالیاتی ادب' لاہور' ۱۹۸۶۔ ۱۹۸۶ کا اقبالیاتی ادب' لاہور' ۱۹۸۸۔ "اقبالیاتی جائزے"' لاہور' ۱۹۹۰ اور "اقبالیات کے تین سال ۱۹۸۷' ۱۹۸۹" لاہور ۱۹۹۳) وغیرہ۔ دوم: کیا ادارے کے لیے ممکن ہو گا کہ وہ علوم اسلامیہ' تاریخ اسلام اور مسلم ممالک سے متعلق انگریزی اور عربی کتابوں کا تعارف دینے کا اہتمام بھی کرے۔ سوم: تبصروں کے کتابیاتی کوائف میں سنہ اشاعت بھی لکھ دیا جائے تو بہتر ہو گا۔

ہمیں امید ہے کہ یہ پرچہ' اسلامک فاؤنڈیشن لیسٹر (برطانیہ) کے مجلے "مسلم ورلڈ بک ریویو" کے معیار کو حاصل کر کے اس سے آگے بڑھ سکے گا' لیکن ماہرین و مبصرین کی ایک جماعت کو آگے بڑھ کر اس کار خیر میں اپنا حصہ ادا کرنا چاہیے۔ امید ہے "نقطہ نظر" کی اشاعت سے ہماری علمی روایت میں نکھار پیدا ہو گا۔

(سلیم منصور خالد)

محترم خرم مراد کے آخری لمحات

محترم خرم مراد کے آخری لمحات کی روداد ان کے بیٹے' حسن صہیب مراد نے قلم بند کی ہے۔ یہ ہفت روزہ "ایشیا" کے شمارہ ۲۱ جنوری ۹۷ میں شائع ہوئی ہے۔

مدیر کے نام

مدیر ترجمان القرآن ' محترم خرم مراد کی گذشتہ ماہ وفات پر دنیا کے مختلف حصوں سے تعزیتی خطوط موصول ہوئے۔ ان میں سے صرف چند کی کچھ جھلکیاں پیش کی جا رہی ہیں۔

عبدالقدیر سلیم ' کراچی

۱۹۵۱-۵۲ سے ان کا ساتھ شروع ہوا۔ جمعیت میں شروع سے ہم نے انھیں ایک محترم' معتبر اور بزرگ کی حیثیت سے جانا اور جیسے جیسے وقت گزر تا گیا' ان کی طبیعت کے ٹھہراؤ' محبت اور اعتبار میں اضافہ ہی ہو تا گیا' گاہے اختلاف رائے کے باوجود کبھی جھگڑے یا شکست اعتماد کی نوبت نہ آئی۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنی بے پایاں رحمت سے وہ بہت سی نعمتیں عطا فرمائی تھیں جن کی خواہش کی جا سکتی ہے اور ان میں سرفہرست' علم اور تقویٰ اور اعلیٰ اخلاق ہیں' جو کم ہی یکجا ہوتے ہیں۔ ترجمان القرآن میں ان کی آخری تحریریں دیکھ کر یقین نہ آتا تھا کہ اس پائے کی علمی' تحقیقی تحریریں' جن کی شگفتگی اور تازگی ایک نہایت صحت مند ذہن و جسم کی غمازی کرتی ہیں' اس شخص کے قلم سے نکل رہی ہیں جو شدید کرب و علالت میں ہے' جس کی شریانیں تقریباً بند ہو چکی ہیں' اور جس کے قلب کی تیسری جراحی ہونے والی ہے۔ لاریب یہ انھی کا حصہ ہے' جنھیں اللہ کے فضل و کرم سے نفس مطمئنہ حاصل ہو چکا ہو۔ ان کی یہ کیفیت اس وقت بھی تھی' جب وہ ۱۹۷۴ء میں بھارت میں جنگی قیدیوں کے کیمپ میں تین سال گزار کر کراچی آئے تھے اور میں ان سے ملنے گیا تھا۔ کوئی شکایت نہ تھی' نہ کسی غم کا اظہار۔ اگرچہ صحت بہت بگڑ چکی تھی' لیکن چہرے پر وہ منفرد مسکراہٹ' جس کے ساتھ آنکھوں میں وہ مخصوص اداسی جھانکتی تھی' جو ان کا خاصہ تھا' دھیمے دھیمے لہجے میں گفتگو' جس میں ہمیشہ اپنائیت اور مٹھاس ہوتی تھی۔ کراچی آتے' تو مجھے فون کرتے' اور شرمندہ کرتے یہ کہہ کر کہ آپ کے ہاں آ رہا ہوں۔ میں ان کا خورد تھا' خود ہی ان کے پاس پہنچ جاتا۔ اب ان سے کیسے ملوں گا! ہاں' اللہ کی شان رحمت سے امید ہے کہ اپنے عفو و کرم کے نتیجے میں آخرت میں ہمیں اپنے دوستوں کی صحبت سے شاد فرمائے گا۔ المرء مع من احب' اس کے محبوبؐ کا فرمان ہے جس پر ہمیں پورا یقین ہے۔

حفیظ الرحمٰن صدیقی ' کراچی

یہ ایک ایسی شخصیت کی وفات کا صدمہ ہے جس کی خوبیاں مثال دینے کے کام آیا کریں گی۔ میرے علم کے مطابق وہ ایک سال تک حقیقتاً بیمار رہے۔ پھر بھی ترجمان کی ادارت میں انھوں نے کوئی ایسی کمی نہیں آنے دی کہ اس کا قاری ان کی علالت کا اندازہ کر سکے۔ ذمہ داری پوری کرنے کی یہ حقیقتاً ایک مثال ہے جس کا حوالہ دیا جاتا رہے گا۔ دنیا کے ساتھ دین کا علم اتنا گہرا کہ بہت سے علما ان کی ہمسری نہ کر سکیں۔ پرہیزگاری ایسی کہ مشکل سے

کہیں ملے۔ ان سب کے پہلو بہ پہلو اپنے پیشہ ورانہ فرائض کی بجاآوری میں بھی یکتا۔

شفیق الرحمٰن، نئی دہلی

وہ ایک صاحب دل بزرگ تھے۔ وہ کردار کے غازی تو تھے ہی، اپنی گفتار سے بھی انھوں نے ہزاروں کو اپنا گرویدہ بنالیا تھا۔ وہ اقبال کی زبان میں قبیلے کی آنکھ کا تارا تھے۔

ڈاکٹر خالد علوی، برمنگھم

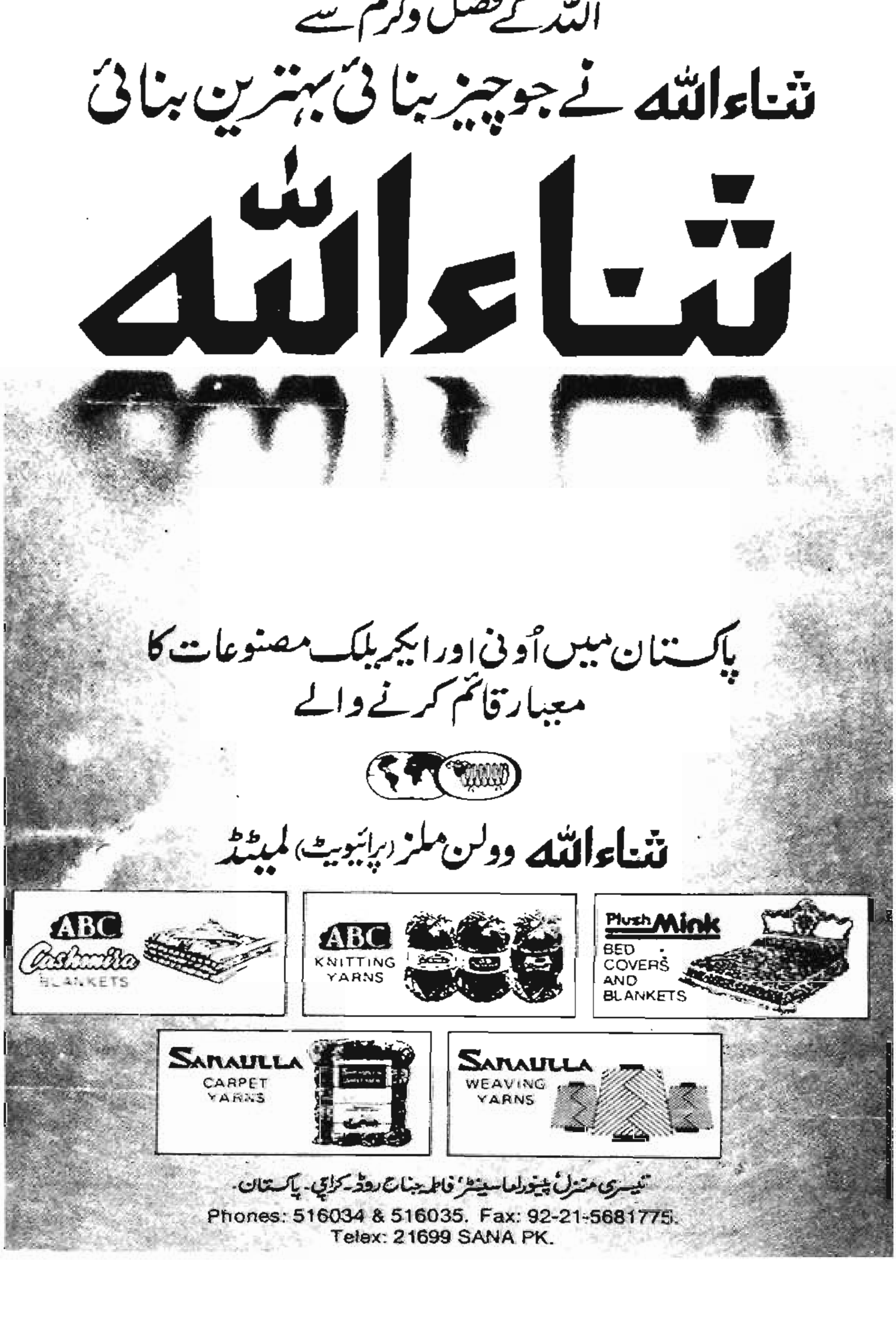
ان کے اخلاص، دین سے وابستگی اور دعوت الی اللہ کے لیے بے پناہ جذبہ و شوق، وہ اعمال صالحہ ہیں جو ان کے درجات کی بلندی اور خطاؤں کی معافی کا باعث ہوں گے۔

سلیمان گل، ریاض

وہ اپنے نصب العین رضائے الٰہی کے حصول کی کوشش اور اعلائے کلمتہ اللہ کے مقدس مشن میں آخری سانس تک مصروف رہے۔ ان کی تحریریں مایوس دلوں میں امید کی کرنیں پیدا کر دیتی تھیں۔ وہ گرتوں کو تھامنے والے تھے۔ وہ بشروا ولا تنفروا یسروا ولا تعسروا کی تصویر تھے۔

محمد رضی الاسلام ندوی، علی گڑھ

یہاں جماعت اسلامی کے ایک ہفتہ وار پروگرام میں ایک صاحب نے یہ خبر سنائی تو اس موقع پر ڈاکٹر عبدالحق انصاری صاحب نے مرحوم کی تحریکی خدمات پر مختصر روشنی ڈالی۔ میں مرحوم کو ان کی تحریروں کے واسطے سے جانتا تھا۔ ان میں سوز، تڑپ، للہیت اور اخلاص پنہاں تھا وہ بہت متاثر کرتا تھا اور میرا احساس ہے کہ میری طرح ہزاروں ان تحریروں کے اسیر ہوں گے۔ مجھے ان سے دو مرتبہ خط و کتابت کا شرف حاصل ہے۔ جب وہ ماہنامہ ترجمان القرآن کے مدیر بنائے گئے تو انھوں نے قلم کاروں کا حلقہ وسیع کرنے کے لیے مختلف اصحاب قلم کو خطوط لکھے۔ میں اپنے آپ کو خوش قسمت اور صاحب شرف سمجھتا ہوں کہ ان کی تیار کردہ فہرست میں میرا بھی نام شامل تھا۔ انھوں نے مجھے جو خط بھیجا وہ کمپیوٹر کتابت میں تھا۔ اس کے ایک کونے میں انھوں نے اپنی تحریر میں لکھا تھا: "برادر عزیز، آپ سے تعارف تو نہیں لیکن آپ کا تذکرہ دوستوں سے سنا ہے۔ یہ محض ایک سرکاری خط نہیں، تحریک اور میری طرف سے ایک درخواست بھی ہے"۔ غالباً اگست یا ستمبر۹۶ میں مجھے ان کی علالت کی خبر ملی۔ اس موقع پر میں نے اپنی ایک نجی ضرورت سے انھیں خط لکھا تو اس میں علالت کی اطلاع ملنے کے ساتھ چند دعائیہ کلمات بھی لکھے۔ خط لاہور ہوتا ہوا لیسٹر پہنچا جہاں وہ زیر علاج تھے تو اس کا انھوں نے فوراً جواب دیا۔ اپنی علالت کے سلسلے میں انھوں نے لکھا: "دعاؤں اور خیریت طلبی کے لیے شکرگزار ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ جتنی زندگی ہو، اس کی بندگی میں گزرے"۔ مرحوم کے یہ دونوں خطوط میرے لیے بڑا سرمایہ ہیں۔


اللہ کے فضل و کرم سے
ثناءاللہ نے جو چیز بنائی بہترین بنائی
ثناءاللہ
پاکستان میں اونی اور ایکریلک مصنوعات کا
معیار قائم کرنے والے
ثناءاللہ وولن ملز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
ABC
Cashmira
BLANKETS
ABC
KNITTING
YARNS
Plush Mink
BED
COVERS
AND
BLANKETS
SANAULLA
CARPET
YARNS
SANAULLA
WEAVING
YARNS
تیسری منزل، پینورما سینٹر، فاطمہ جناح روڈ، کراچی۔ پاکستان۔
Phones: 516034 & 516035. Fax: 92-21-5681775.
Telex: 21699 SANA PK.

تم دوسروں کی دیکھا دیکھی کام کرنے والے نہ بنو کہ کہنے لگو کہ اگر اور لوگ احسان کریں گے۔ تو ہم بھی احسان کریں گے اور اگر دوسرے لوگ ظلم کا رویہ اختیار کریں گے تو ہم بھی ویسا ہی کریں گے۔ بلکہ اپنے دلوں کو اس پر پکا کر لو کہ اگر اور لوگ احسان کریں گے تب بھی تم احسان کرو اور اگر لوگ برا سلوک کریں تب بھی تم ظلم اور برائی کا رویہ اختیار نہ کرو (بلکہ احسان ہی کرو)۔ (ترمذی)

محترم خرم مراد نے تقریباً ۵۰ سال بھرپور اجتماعی زندگی گزاری۔ اس دوران مختلف ملکوں میں ہزاروں افراد سے ان کا طویل اور مختصر مدت کا رابطہ رہا۔ سب ہی کے پاس ان کی یادوں کی امانت ہے۔ ہماری گزارش ہے کہ آپ ان خوشگوار یادوں میں دوسروں کو شریک کرنے کے لیے آگے بڑھیں۔

اگر آپ لکھتے ہوں تو تحریر کی شکل میں' یا کسی مجلس میں بیان کر کے ریکارڈنگ کر کے' ہمیں ارسال کر دیں۔ اگر ان کی کوئی تحریر یا مکتوب آپ کے پاس ہو' آپ اصل اپنے پاس محفوظ رکھنے میں دلچسپی رکھتے ہوں' تو نقل' ورنہ اصل ہمیں ارسال کر دیں۔ اگر آپ کے خیال سے کسی دوسرے فرد یا افراد سے ہمارا رابطہ مفید ہو سکتا ہے تو اس کی نشاندہی کر دیں۔ ہم آپ کے ممنون ہوں گے۔

ہم منتظر رہیں گے۔ اس سلسلے میں اخراجات ہم سے لیے جا سکتے ہیں۔

مسلم سجاد۔ حسن صہیب مراد
منصورہ' لاہور ۵۴۵۷۰
فیکس: ۷۸۳۲۱۹۴ - ۰۴۲

سالانہ خریداروں اور ایجنسی ہولڈروں سے گزارش ہے کہ خط و کتابت میں خریداری / ایجنسی نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔ (منیجر)

ہماری مطبوعات

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ترجمہ قرآن مجید مع مختصر حواشی اعلیٰ ایڈیشن	300 روپے
ترجمہ قرآن مجید مع مختصر حواشی سستا ایڈیشن	250 روپے
تفہیم القرآن جلد اول (سورہ الفاتحہ تا سورہ الانعام)	225 روپے
تفہیم القرآن جلد دوم (سورہ الاعراف تا سورہ بنی اسرائیل)	250 روپے
تفہیم القرآن جلد سوم (سورہ الکہف تا سورہ الروم)	250 روپے
تفہیم القرآن جلد چہارم (سورہ لقمان تا سورہ الاحقاف)	250 روپے
تفہیم القرآن جلد پنجم (سورہ محمد تا سورہ الطلاق)	225 روپے
تفہیم القرآن جلد ششم (سورہ التحریم تا سورہ الناس)	225 روپے
تفہیم القرآن ڈیلکس سیٹ	1800 روپے
تفہیم القرآن سپیشل سیٹ	1200 روپے
فہم القرآن	18 روپے
فہم القرآن (پارہ اول)	25 روپے
تفسیر سورۂ الفاتحہ و البقرہ	45 روپے
تفسیر سورۂ آل عمران	28 روپے
تفسیر سورۂ النساء	35 روپے
تفسیر سورۂ المائدہ	28 روپے
تفسیر سورۂ الاعراف	30 روپے
تفسیر سورۂ التوبہ	28 روپے
تفسیر سورۂ یونس	21 روپے
تفسیر سورۂ یوسف	13 روپے
تفسیر سورۂ المومنون	16/50 روپے
تفسیر سورۂ النحل	26 روپے
تفسیر سورۂ بنی اسرائیل	28 روپے
تفسیر سورۂ الانبیاء	18 روپے
تفسیر سورۂ الحج	28 روپے
تفسیر سورۂ النور	40 روپے
تفسیر سورۂ الفرقان	18 روپے
تفسیر سورۂ العنکبوت	18 روپے
تفسیر سورۂ لقمان	10 روپے
تفسیر سورۂ الاحزاب	30 روپے
تفسیر سورۂ یٰسین	12 روپے
تفسیر سورۂ الزمر	20 روپے
تفسیر سورۂ الفتح	18 روپے
تفسیر سورۂ الحجرات	18 روپے
تفسیر سورۂ الرحمٰن	12 روپے
تفسیر سورۂ الواقعہ	10 روپے
تفسیر سورۂ الحدید	21 روپے
تفسیر سورۂ المنافقون	10 روپے
تفسیر سورۂ التحریم	10 روپے
تفسیر تیسواں پارہ	60 روپے
سیرت سرور عالمؐ (جلد اول)	150 روپے
سیرت سرور عالمؐ (جلد دوم)	150 روپے
خطبات حصہ اول (حقیقت اسلام)	24 روپے
خطبات حصہ دوم (حقیقت صوم و صلوٰۃ)	15 روپے
خطبات حصہ سوم (حقیقت زکوٰۃ)	6 روپے
خطبات حصہ چہارم (حقیقت حج)	10/50 روپے
خطبات حصہ پنجم (حقیقت جہاد)	6 روپے
حقوق الزوجین	30 روپے
الجہاد فی الاسلام	125 روپے
خلافت و ملوکیت	90 روپے
سود	28 روپے
دکن کی سیاسی تاریخ	28 روپے

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

مرتب: نعیم صدیقی۔ عبدالوکیل علوی

یہودیت قرآن کی روشنی میں	84 روپے
نصرانیت قرآن کی روشنی میں	75 روپے

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

مرتب: سید اسعد گیلانی

حکمت تبلیغ	80 روپے
دعوت و تنظیم	30 روپے

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

مرتب: اختر حجازی

قوموں کے عروج و زوال پر علمی	
تحقیقات کے اثرات	36 روپے
استفسارات حصہ اول	75 روپے
استفسارات حصہ دوم	76 روپے
تفہیمات حصہ چہارم	60 روپے
خطبات یورپ مجلد	90 روپے
خطبات یورپ غیر مجلد	27 روپے
دارالاسلام	125 روپے

عبدالکریم عابد

مولانا مودودی کے سیاسی افکار	24 روپے

سید قطب شہیدؒ

معرکہ اسلام اور سرمایہ داری	[illegible] روپے

مولانا صدر الدین اصلاحی

اسلامی نظریہ اجتماع	[illegible] روپے
اسلام کا نظریہ جہاد	24 روپے
تعمیری انقلاب اور قرآنی اصول حکمت	[illegible] روپے
عہد نبوت کے مسائل اور عصر حاضر	5 روپے

مولانا جلیل احسن ندویؒ

سفینہ نجات	75 روپے

سید اسعد گیلانی

رسول اکرمؐ کی حکمت انقلاب (مجلد)	120 روپے
مشاہدات حرمین	24 روپے
قرآن، رمضان اور محرم	21 روپے
اسلام اور مسلم خواتین	30 روپے
خطبات انبیاء	24 روپے
تحریک اسلامی کی پہلی کتاب	35 روپے
تحریک اسلامی کی دوسری کتاب	40 روپے
تحریک اسلامی کے مراحل	10 روپے
تحریک اسلامی کا تعارف	1 روپیہ
اسلام اور سوشلزم	46 روپے
دوش بدوش	46 روپے
اسلامی نظریہ ادب	30 روپے
امت مسلمہ سے خطاب	7/50 روپے

ام فاروق

رسول اکرمؐ	48 روپے

شبیر احمد منظر قدوسی

اقامت دین کا کام کہاں اور کیسے ہو؟	5 روپے

اختر حجازی

انسانیت کی موجودہ مشکلات اور سیرت رسولؐ	13/50 روپے

ڈاکٹر محمد امین

عصر حاضر اور اسلام کا نظام قانون	60 روپے

ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ

رحمٰن مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور فون:- 7236652-7234014 پوسٹ کوڈ 54000

REGD. NO. L 5340

PHONES : 7587916
7585590

MONTHLY **TARJUMAN-UL-QURAN** LAHORE